تَحذِیرُ النّاس

مِن اِنکارِ اَثرِ اِبنِ عَبّاس رضی اللہ عنہ

تالیف

حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہ

بانی دار العلوم دیوبند (م ۱۲۹۷ھ)

مقدمہ

علامہ ڈاکٹر خالد محمود ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

حاشیہ

مولانا حافظ عزیز الرحمٰن ایم اے ایل ایل بی

توضیح بعض عبارات

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم

ادارہ العزیز

نزد جامع مسجد صدیقیہ، گلہ برف خانہ، سیالکوٹ روڈ، کھوکھر کی۔ گوجرانوالہ

تحذیر الناس

مِن اِنکارِ أثر اِبن عبّاس رضی اللہ عنہ

تالیف

حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرۃ مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ

بانی دار العلوم دیوبند (م ۱۲۹۷ھ)

مقدمہ

علامہ ڈاکٹر خالد محمود ڈائرکٹر اسلامک اکیڈیمی مانچسٹر

حاشیہ

مولانا حافظ عزیز الرحمٰن ایم اے؛ ایل ایل بی

توضیح بعض عبارات

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم

ادارہ العزیز

نزد جامع مسجد صدیقیہ گلہ برف خانہ والا سیالکوٹ روڈ گکھڑ گوجرانوالہ

طبع سوم

نام کتاب ـــــــــ تحذیر الناس من انکار اثر ابنِ عباسؓ

مصنف ـــــــــ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
بانی دار العلوم دیوبند

بار سوم ـــــــــ جنوری سنہ ۲۰۰۱ء

سرورق ـــــــــ سید الخطاطین نفیس رقم

تعداد ـــــــــ گیارہ سو (۱۱۰۰)

مطبع ـــــــــ سہیل پرنٹرز بلال گنج لاہور

قیمت ـــــــــ

ناشر ـــــــــ ادارہ العزیز گوجرانوالہ

ملنے کے پتے

۱۔ مکتبہ سید احمدؒ شہید الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور

۲۔ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

۳۔ مکتبہ رحمانیہ غزنی سٹریٹ لاہور

۴۔ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور

۵۔ کتب خانہ رشیدیہ تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی

فہرست عنوانات

عنوانات	صفحہ
عرض ناشر	۵
مقدمہ	۷
عکسی خط پیر کرم شاہ	۳۱
استفسار	۴۰
الجواب	۴۱
تمہید	۴۱
ایک سوال اور اس کا جواب	۴۲
بناء خاتمیت کی تعیین	۴۲
آپؐ کی نبوت ذاتی ہے	۴۴
نبوت ذاتی کی پہلی دلیل	۴۶
نبوت ذاتی کی دوسری دلیل	۴۶
نبوت کمالاتِ علمی میں سے ہے	۴۷
پہلی دلیل	۴۷
دوسری دلیل	۴۸
شہادت عملی کمال ہے	۴۸
تیسری دلیل	۴۹
نبوت ذاتی کی تیسری دلیل	۵۰
ختم نبوت ذاتی اور ختم نبوت زمانی میں تلازم	۵۲
تقدم و تاخر کے اقسام	۵۳
انبیاء علیہم السلام میں متقدم اور متاخر کی تعیین	۵۴
لفظ جس سے خاتم کے معنی میں عموم پر استدلال	۵۶
آیت ختم نبوت کا مفہوم	۵۷
آیت النبی اولی... الخ سے تائید نیز اس آیت کا مفہوم	۵۹
مثال	۶۰
دلیل إنّی اور دلیل لمّی	۶۲
لفظ اولیٰ کا معنی اقرب ہی زیادہ مناسب ہے	۶۲
ایمان بالذات اور ایمان بالعرض	۶۳
لفظ خاتم کے اطلاق کا فائدہ	۶۴
لفظ مثلهن سے سات زمینوں کا ثبوت	۶۵
حدیث سے سات زمینوں کا ثبوت	۶۶
سات زمینوں کی ترتیب	۶۷
ہر زمین میں آبادی ہے	۶۷
حدیث سے اس کا ثبوت	۶۸
بالائی زمین والے زیریں زمین والوں پر حاکم ہیں	۷۲
نبوت کے دو سلسلے	۷۳
ایک شبہ	۷۴
آیت تشبیہ نسبت ہے نہ کہ تشبیہ مفرد	۷۶
تشبیہ نسبت میں مشابہت طرفین ضروری نہیں	۷۷

عنوان	صفحہ
تشبیہ نسبت کی مثالیں قرآن مجید میں	۷۷
آسمان اور زمینی مخلوق میں مناسبت	۷۸
انسانی جسم کے عناصرِ اربعہ	۷۸
انسانی روح کے عناصرِ اربعہ	۷۹
آمدن بر سرِ مطلب	۷۹
زمین اوّل کے فردِ اکمل کی نسبت باقی زمینوں کے باشندوں سے	۸۰
یہ مسئلہ قطعی نہیں	۸۲
حضرت ابنِ عباسؓ کے اثر کی تحقیق	۸۲
حضورؐ کی افضلیت سب انبیائے سے	۸۴
دلیل کے ساتھ بڑوں کی رائے سے اختلاف جائز ہے	۸۵
محدثین کا اصول	۸۶
علم ہیئت ظنی ہے	۸۷
ہیئت دانوں کا آپس میں اختلاف	۸۷
حدیث میں تشبیہ نسبت مراد ہے	۸۸
حدیثِ مذکور اور آیت میں تطابق نیز تشبیہ کا بیان	۸۸
کمالِ نبوت بہت سی چیزوں کا موقوف ہے	۸۹
ایک شبہ اور اس کا جواب	۹۱
خدائی بالذات اور بالعرض میں تقسیم نہیں ہوتی	۹۲
خلاصہ بیان	۹۳

عنوان	صفحہ
خلاصہ دلائل	۹۴
قرآن کی اوّل تفسیر حدیث ہے	۹۶
نقل	۹۷
قارئین سے گزارش	۹۸
ہر استدلال ذاتی محل تامل نہیں	۹۹
ہر تفسیر بالرائے غلط نہیں	۹۹
تفسیر بالرائے دو قسم ہے تفسیر بالہوٰی اور تفسیر بالدلیل	۱۰۰
تفسیر کس کو کہتے ہیں ؟	۱۰۱
قارئین سے مخلصانہ اپیل	۱۰۲
جواب دیگر از علماء لکھنؤ	۱۰۳
تکملہ - از مولانا محمد منظور نعمانی	
حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ پر انکارِ ختم نبوت کا بہتان	۱۰۷
حضرت نانوتوی مرحوم اور تفسیرِ خاتم النبیین	۱۱۷
تحذیر الناس کی عبارتوں کا صحیح مطلب	۱۱۹
ایک عام فہم مثال سے مولانا نانوتویؒ کے مطلب کی توضیح	۱۲۱
خاتم النبیین کی تفسیر میں حضرت نانوتویؒ کے مسلک کی تائید خود مولوی احمد رضا خاں کی تصریحات سے	۱۲۵
احمد رضا کی علمی دیانت کا ایک نمونہ	۱۲۸

عرضِ ناشر

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ العزیز بانی دار العلوم دیوبند کو اللہ رب العزت نے حکمتِ دین کا جو وافر حصہ عطا فرمایا وہ ان کی معرکۃ الآراء تصانیف سے عیاں ہے حضرت نانوتویؒ امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت و فلسفہ کے نہ صرف شارح و داعی ہیں بلکہ انہوں نے اپنے مخصوص متکلمانہ انداز کے ساتھ حکمت ولی اللّٰہی کو ایک نئے سطح سے اہل علم کے سامنے پیش کیا ہے۔ حضرت حجۃ الاسلامؒ کی تصانیف میں "تحذیر الناس" نے بہت زیادہ شہرت پائی ہے کیونکہ علم و حکمت اور فہم و عرفان کے اس بحر مواج سے جہاں اربابِ علم و دانش نے بار بار اپنی تشنگی کو دور کیا ہے وہاں کج فہمی اور کوتاہ عقلی نے اس کے بعض حصوں کو طعن و اعتراض کا ہدف بنا کر فہم و علم کے بازار میں اپنی کسادت کو آشکارا کر دیا ہے۔

علم و حکمت کے اس آبدار موتی کو جو نایاب ہو چکا تھا نئی چمک دمک کے ساتھ اربابِ علم و فضل کے سامنے پیش کیا تھا، جس کو قارئین کرام نے بیحد پسند فرمایا اور ہاتھوں ہاتھ لیا

اس ایڈیشن کی امتیازی خصوصیات یہ ہیں کہ :

مخدوم گرامی حضرت سید انور حسین شاہ صاحب مدظلہٗ نفیس رقم کی خصوصی توجہ اور کرم فرمائی کے باعث مفکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود نے کتاب کا معرکۃ الآراء مقدمہ تحریر کیا تھا جس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی ذات گرامی اور ان کے مشن کے تذکرہ کے علاوہ ان اعتراضات پر بھی سیر حاصل گفتگو کی تھی جو تحذیر الناس کے بعض حصوں پر کچھ کوتاہ فہموں کی طرف سے کیے گئے تھے۔ اس پر پیر کرم شاہ صاحب نے رسالہ "تحذیر الناس میری نظر میں" لکھ دیا جس میں کچھ اعتراضات کیے۔ اب اس ثانی ایڈیشن میں علامہ خالد محمود کا نظر ثانی کیا ہوا مقدمہ پیش خدمت ہے۔ جس میں رسالہ "تحذیر الناس میری نظر میں" پر مفصل بیان قابل دید ہے

نیز ہمارے فاضل دوست مولانا حافظ عزیز الرحمٰن بی اے۔ ایل ایل بی (ایم اے اسلامیات) نے ضروری حواشی کے ذریعہ مضامین کی وضاحت کر کے کتاب کی افادیت کو دو چند کر دیا۔

اور خواجہ بشیر احمد صاحب مالک پبلک میڈیکل سٹور گوجرانوالہ کی کرم فرمائی سے پیر کرم شاہ صاحب

سجادہ نشین بھیرہ کے اُس مکتوب کا عکس دستیاب ہوا (جو اس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے) جس میں موصوف نے تحذیر الناس کی افادیت اور دنیائے علم و حکمت میں اس کے اعلیٰ مقام کا فراخدلی کے ساتھ اعتراف فرمایا ہے۔

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہ مدیر "الفرقان" لکھنؤ کا ایک اہم مضمون تحذیر الناس کی بعض عبارات کی وضاحت کے طور پر کتاب کے آخر میں بطور تکملہ شامل کر دیا گیا ہے۔

مقدمہ اور آخری مضمون میں تحذیر الناس کے حوالے اس ثانی ایڈیشن کے اعتبار سے دیے گئے ہیں۔

ہم اس مخلصانہ تعاون پر مذکورہ بالا سب حضرات کے شکر گذار اور دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت ان کو جزائے خیر دیں اور کتاب کو لوگوں کے لیے نافع اور ہمارے لیے ذریعہ نجات بنائیں۔ آمین یا الہ العالمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلی آلہٖ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔

عبدالعزیز
(فاضل دیوبند)

مقدمہ

الحمد للہ العلی الکبیر والصلوٰۃ والسلام علی النبی البشیر النذیر وعلی آلہ المرتدین بردآء التطہیر وصحبہ المھتدین فی ضوء السراج المنیر بھدایۃ السمیع البصیر اما بعد فقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین۔ اما بعد

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی کتاب تحذیر الناس آپ کے ہاتھوں میں ہے اس کا موضوع حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کا ایک اثر ہے تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباس رضی ہے۔ اس میں لوگوں کو ڈرایا گیا ہے کہ یونہی بلا وجہ ایک صحابی رسول کی کہی بات کا انکار نہ کریں بات کو سمجھنے کی کوشش کریں اہل السنۃ والجماعۃ ہمیشہ سے صحابہ کے علم وعمل کے گرد حفاظت کا پہرہ دیتے آئے ہیں اور ان سے یہ نہیں ہو سکتا کہ صحابی کی بات کو اہمیت نہ دیں سب صحابہ ہدایت کے روشن ستارے ہیں اور کسی ایک صحابی سے بھی روگردانی جائز نہیں اس سے مسلمانوں کو ڈرنا چاہیئے۔

اس موضوع پر لکھنے میں حجۃ الاسلام کیا پہلے فرد ہیں یا آپ سے پہلے بھی علماء اسلام نے اس پر کچھ لکھا ہے؟ اس پر اس آخری دور میں اس تفصیل سے لکھنے میں کیا حکمت تھی اس کا جواب بھی آپ کو اس مقدمہ میں ملے گا پہلے اصل موضوع سے تعارف کیجیے۔

ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ اثر کتب حدیث میں اس طرح ملتا ہے۔ اخبرنا احمد بن یعقوب الثقفی حدثنا عبید بن غنام النخعی انبانا علی بن حکیم حدثنا شریک عن عطاء بن السائب عن ابی الضحیٰ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال اللہ الذی خلق سبع سمٰوٰت ومن الارض مثلھن قال سبع ارضین فی کل ارض نبی کنبیکم وآدم کآدم ونوح کنوح وابراھیم کابراھیم وعیسیٰ کعیسیٰ

هٰذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ (مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۴۹۳)

ترجمہ :- حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ زمینیں سات ہیں ہر زمین میں نبی
اسی طرح ہوئے جس طرح تمہارے ہاں۔ آدم کے ساتھ آدم اور نوح کے ساتھ نوح۔
ابراہیم کی طرح ابراہیم اور عیسٰے کی طرح عیسٰی۔

آپ نے قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیر میں یہ بات کہی ہے اور بتلایا ہے کہ ان تمام زمینوں میں امر الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ ان تمام طبقات میں مکلف مخلوق آباد اور نبوت سے سرفراز ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا (پ ۲۸ الطلاق ع ۲)

ترجمہ :- اللہ وہ ذات ہے جس نے بنائے سات آسمان اور زمین بھی ان کی طرح۔ اترتا ہے اس کا حکم ان کے اندر تاکہ تم جانو کہ اللہ ہر چیز کر سکتا ہے اور اس کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ نے زمینیں بھی سات پیدا کی ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت سے بھی اس کی تائید ملتی ہے۔ اللہ رب العزت کے احکام تکوینی ہوں یا تشریعی، ان میں اترتے ہیں ہر ایک میں سلسلہ نبوت چلا ہے ہر زمین میں جو مبدء سلسلہ ہوا، وہ ہمارے آدم علیہ السلام کی طرح اس زمین کا آدم تھا اور جو اس زمین کا منتہی سلسلہ ہے وہ اس زمین کا خاتم ہے۔

ان زمینوں کے خاتم کو ہمارے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت ہوگی؟ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف اسی زمین کے نبیوں کے خاتم ہے یا آپ علی الاطلاق تمام نبیوں کے خاتم ہیں جن پر بھی نبوت کا لفظ آیا ہو، خواہ وہ اس زمین کے ہوں یا ان زمینوں کے؟ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے تحقیق فرمائی ہے کہ آپ کی خاتمیت کچھ اسی زمین سے خاص نہیں آپ علی الاطلاق خاتم النبیین ہیں اُن زمینوں کے خاتم اپنی زمین کی نسبت سے تو وہاں کے خاتم ہوں گے لیکن تمام زمینوں کو سامنے رکھیں تو تمام انبیاء کے خاتم حضور صلی اللہ علیہ وسلم

بھی ہوں گے آپ کے ساتھ وہاں آنے والا نبی یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پہلے ہوا ہو گا۔ اور اگر آپ کے دور میں بھی وہاں نبی آیا ہو تو وہ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تابع رہا ہو گا۔ آپ کے بعد کسی زمین میں کسی اور نبی کا ہونا یہ درست نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زمانی اور مکانی ہر اعتبار سے آخری نبی ہیں اور علی الاطلاق خاتم النبیین ہیں اور مرتبہ میں بھی کوئی حضور سے آگے نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہ اثر کتابوں میں موجود ہے۔ ناقد فن علامہ شمس الدین ذہبیؒ نے تلخیص المستدرک میں اسے صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔ حاکم نے اس کی متابعت میں محمد بن شیبہ تک ایک دوسرا سلسلہ سند بھی پیش کیا ہے۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان طبقات کا بھی خاتم مانا جائے جیسا کہ حضرت حجۃ الاسلامؒ نے تصریح کی ہے تو اس سے اسلام کی کسی اصل شرعی پر کوئی زد نہیں پڑتی جہاں ختم نبوت زمانی کا ہم اقرار کرتے ہیں وہاں ختم نبوت مکانی کا بھی اقرار کر لیا جائے تو اس میں آپ کی شان خاتمیت اور روشن ہوتی ہے۔ یہ بات صرف حضرت مولانا محمد قاسمؒ ہی نہیں کہتے۔ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی نے بھی اس پر مستقل رسالے لکھے۔ مولانا عبدالحیؒ لکھتے ہیں۔

> پس اس امر کا اعتقاد کرنا چاہیے کہ خواتم طبقات باقیہ بعد عصر نبوی نہیں ہوئے۔ یا قبل ہوئے یا ہمعصر، اور بر تقدیر اتحاد عصر وہ متبع شریعت محمدیہ ہونگے اور ختم ان کا بہ نسبت اپنے طبقہ کے اضافی ہوگا اور ختم ہمارے حضرت کا (حضورؐ کا خاتم النبیین ہونا) عام ہوگا اور تفصیل ان سب امور کی میں نے کما حقہ اپنے دو رسالوں میں ایک مسمی بہ الآیات البینات علی وجود الانبیاء فی الطبقات دوسرے مسمی بہ زاجر الناس فی اثر ابن عباس۔ کی ہے۔ ۔

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم — جنید و شبلی و عطار ہم مست

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بھی کوشش کی ہے کہ مسلمان صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے انکار کے درپے نہ ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث قطعی الثبوت نہیں لیکن یہ بات نہ بھولنی چاہیے کہ صحاح ستہ کی اکثر احادیث بھی تو قطعی الثبوت نہیں ہیں

قطعی صرف وہی حدیث ہوتی ہے جو متواتر ہو۔ اخبار احاد کے انکار سے ہم کسی کو کافر نہیں کہتے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ جو حدیث قطعی الثبوت نہ ہو اس کا ویسے ہی انکار کر دیا جائے اہل السنّت کے ہاں اخبار احاد کا انکار درست نہیں ہے اس سے بچنا چاہیئے تحذیر الناس کا موضوع یہی ہے کہ بلا وجہ حضرت ابن عباسؓ کے اس اثر کا انکار نہ کرو۔

اگر کوئی شیعہ صحابی رسول کی کسی بات کو نظر انداز کرتا تو بات سمجھ میں آتی تھی لیکن افسوس کہ بھیرہ کے پیر کرم شاہ صاحب یہ ہوشربا الفاظ لکھ گئے۔

"یہ فقیر تو بصد حسرت مولانا (محمد قاسم) کے متعلق بھی یہ کہتا ہے کہ کاش وہ اس اثر کو اتنی اہمیت نہ دیتے اور جتنا وقت انہوں نے اس کی وضاحت میں صرف کیا ہے کسی اور اہم موضوع کے الجھے ہوئے گیسو سنوارنے میں صرف کرتے۔" (تحذیر الناس میری نظر میں ص۲۷)

صحابی کی بات کو اہمیت نہ دینے کا مشورہ افسوس صد افسوس اور صحابہ کی صفائی پیش ہو تو اس پر حسرت کا اظہار، اس پر مزید افسوس۔ اس کی توقع کیا کسی سُنّی مسلمان سے کی جا سکتی ہے؟ یہ فیصلہ آپ خود ہی کریں، معلوم ہوتا ہے پیر صاحب نے یہ بات صرف ان لوگوں کو خوش کرنے کے لیے کہی ہے جو مولانا احمد رضا خاں کے بارے میں خود یہ گمراہ کُن نظریہ رکھتے ہیں۔

ان کو دیکھ کر صحابہ کی زیارت کا شوق کم ہو گیا تھا۔ (وصایا شریف ص۲۴ مطبوعہ بریلی طبع اوّل)

ہاں اس پہلو سے پیر صاحب لائق تحسین ہیں کہ انہوں نے اپنے ایک سابقہ خط[1] میں یہ بات کھل کر کہی کہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ختم نبوت زمانی کے منکر نہیں اور ان پر تحذیر الناس کے حوالے سے انکارِ ختم نبوت کا الزام درست نہیں اب انہوں نے اپنے نئے رسالے (تحذیر الناس میری نظر میں) میں بھی نہایت تحمل کر مولانا احمد رضا خاں کی تردید کی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں نے تحذیر الناس کے تین مختلف مقامات ص۱۴، ص۲۸، ص۳ سے تین عبارتیں لے کر انہیں جوڑ کر ایک عبارت بنایا تھا اور اس نئی وضعی عبارت سے حضرت مولانا محمد قاسمؒ کو ختم نبوت زمانی کا منکر ٹھہرایا تھا، پیر کرم شاہ صاحب نے اب بھی اپنا فیصلہ مولانا احمد رضا خاں کے خلاف دیا ہے اور اس ہمت پر ہم انہیں داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ آپ لکھتے ہیں۔

[1] یہ خط اس مقدمے کے آخر میں آرہا ہے اور اس خط کا فوٹو بھی ساتھ ہے

یہ کہنا درست نہیں سمجھتا کہ مولانا نانوتوی عقیدہ ختم نبوت کے منکر تھے کیونکہ یہ اقتباس بطور عبارت النص اور اشارۃ النص اس امر پر بلا شبہ دلالت کرتے ہیں کہ مولانا نانوتوی ختم نبوۃ زمانی کو ضروریات دین سے یقین کرتے تھے اور اس کے دلائل کو قطعی اور متواتر سمجھتے تھے انہوں نے اس بات کو صراحت سے ذکر کیا ہے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت زمانی کا منکر ہے وہ کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ (تحذیر الناس میری نظر میں صہ ۵۸)

معلوم ہے کہ پیر کرم شاہ صاحب یہاں مولانا محمد قاسم نانوتوی کے عقیدہ ختم نبوت کو بلا شبہ بیان کر رہے ہیں۔ یہ بلا شبہ کے الفاظ لائق توجہ ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت مولانا نانوتوی کی عبارات ان کے اس عقیدہ پر بلا شبہ دلالت کر رہی ہیں تو مولانا احمد رضا خاں انہیں کیوں سمجھ نہ پائے؟ کیا یہ جہل نہیں۔ اور اگر وہ سمجھتے تھے مگر جان بوجھ کر حضرت پر ختم نبوت کے انکار کی تہمت لگانا چاہتے تھے۔ اور اپنی یہ خدمت انگریز کے کھاتے میں ڈالنا چاہتے تھے۔ تو کیا یہ خیانت نہیں؟

مجبوری ساقی بھی اے تشنہ لب سمجھو ۔۔۔ حاکم کا تو منشا ہے کہ خم خواروں میں چل جائے

اگر اسے خیانت کے سوا کسی اور لفظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے تو پیر صاحب ہی اس میں پیشقدمی فرمائیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ پیر کرم شاہ صاحب ہمارے اس جملے سے بہت سیخ پا ہیں مگر وہ یہ بات پھر بھی نہیں بتا سکے کہ خان صاحب کی اس غلط فہمی کا منشا جہل یا خیانت کے سوا اور کیا تھا؟ بات کا بلا شبہ ہونا وہ پہلے تسلیم کر چکے ہیں اب وہ خان صاحب کو کسی عبارت کی پیچیدگی کا فائدہ بھی نہیں دے سکتے۔ ہمارے جس جملے پر وہ لہولہان ہوتے ہیں وہ یہ ہے۔

"مولانا احمد رضا خاں کے علم و دیانت کی داد دیں آپ نے کس جہل اور خیانت کا لباس پہن کر مولانا محمد قاسم نانوتوی پر انکار ختم نبوت کا الزام لگایا ہے" (مقدمہ تحذیر ص ۲۹)

اب پیر کرم شاہ صاحب کے ریمارک ملاحظہ ہوں۔

دل تو گوارا نہیں کرتا کہ وہ دلخراش اور جذبات کو لہولہان کرنے والے جملے لکھ کر قارئین کرام کو ایک روحانی کرب میں مبتلا کروں ...... الخ (تحذیر الناس میری نظر میں ص ۵۶)

اجسام لہولہان ہوتے ہیں جذبات کا لہولہان ہونا ہماری سمجھ سے بالا ہے۔ یہ فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ پیر صاحب واقعی ان جملوں سے لہولہان ہوئے یا نہ؟ لیکن ہم یہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جب تحذیر الناس کی عبارات بلا شبہ حضورؐ کی ختم نبوت زمانی کا پتہ دے رہی ہیں اور مولانا احمد رضا خاں نے ان پر دن دہاڑے ڈاکہ ڈالا تو اس وقت آپ کے جذبات کیوں لہولہان نہ ہوئے ایک شخص پر جہل یا خیانت کا الزام ہو یہ بات اشد ہے یا کسی پر کفر کی تہمت ہو یہ الزام اشد ہے۔

مولانا احمد رضا خاں نے ان عبارات سے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ پر کفر کا فتوے لگایا ہے ہم نے مولانا احمد رضا خاں کی اس کاوش پر فقط جہل اور خیانت کا الزام قائم کیا ہے اب آپ ہی غور فرمائیں کہ اشد حرکت کس کی ہے اور اخف الزام کس کا اور پھر یہ بھی فیصلہ کریں اگر ان کے پاس انصاف کا کچھ بھی احساس تھا۔ تو انہیں کس بات پر لہولہان ہونا چاہیے تھا میری بات پر یا خانصاحب کی بات پر۔

پیر صاحب نے بریلویوں کو خوش کرنے کے لیے ایک بات اب پیدا کی ہے کہ تحذیر الناس کی بعض عبارات سے کچھ غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں لیکن پیر صاحب نے ان عبارات کو غلط نہیں کہا۔ اس فہم کو غلط کہا ہے جو ان سے ختم نبوت زمانی کے خلاف کوئی دوسرا نتیجہ نکالے دوسرے لفظوں میں اسے یوں سمجھیے کہ حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے تو بات غلط نہیں کی مولانا احمد رضا خاں نے اسے غلط سمجھ لیا۔ سو پیر صاحب یہاں کسی غلط بیانی کی نشاندہی نہیں کر رہے مولانا احمد رضا خاں اور ان کے پیرووں کی غلط فہمیوں کو نمایاں کر رہے ہیں۔ پیر صاحب لکھتے ہیں۔

"مولانا نانوتوی نے سنگین قسم کی غلط فہمیوں کو جنم دینے والے اس مضمون کو فقط ایک بار تحذیر الناس میں ذکر کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسے بار بار دہرایا ہے مجھے افسوس ہے کہ جب پہلی بار میں نے تحذیر الناس کا مطالعہ کیا تو میری توجہ ان خطرناک نتائج کی طرف مبذول نہ ہوئی؟ ص۴۴

مخدوم محترم! جب آپ نے ان خطرناک نتائج کو خود بھی غلط فہمی پر مبنی قرار دیا ہے تو اب آپکو افسوس کس بات کا ہے کیا اس بات کا کہ آپنے اچھی تعلیم کیوں حاصل کی کہ آپ ان غلط فہمیوں کا شکار نہ ہوئے اور مولانا احمد رضا خاں اپنی کم علمی کے باعث تحذیر الناس کے ان مطالب کو نہ پا سکے جو حضرت حجۃ الاسلامؒ کی مرادات تھے کیا آپ کو اسی بات کا افسوس ہے؟

ہاں آپ کا یہ کہنا کہ پہلی بار مطالعہ کرنے سے آپ کی توجہ ان نتائج تک نہ جا سکی تھی اپنی جگہ ضرور کچھ وزن رکھتا اگر آپنے واقعی ایک دفعہ کے مطالعہ کے بعد تحذیر الناس کے حق میں اپنی رائے دی ہوتی ہم کہہ دیتے کہ ذہن کمزور تھا پہلے مطالعہ میں بات کو پا نہ سکا۔ لیکن ہم جب یہ دیکھتے ہیں کہ آپ نے تحذیر الناس کے بارے میں اپنی رائے کئی دفعہ پڑھنے کے بعد دی تھی تو بے ساختہ حافظہ نباشد کی مثل یاد آجاتی ہے آپ کا خط جس کا عکس فوٹو اس مقدمہ تحذیر الناس کے ص ۳۰ پر ہم دے چکے ہیں اس کا پہلا جملہ یہ ہے۔

"حضرت قاسم العلومؒ کی تصنیف لطیف مسمّٰی بہ تحذیر الناس کو متعدد بار غور و تامل سے پڑھا اور ہر بار نیا لطف و سرور حاصل ہوا۔"

اب آپ ہی بتائیں کہ اس خط میں آپنے جو رائے ظاہر کی ہے کیا وہ صرف پہلی بار کے مطالعہ پر مبنی ہے یا آپنے متعدد بار اس کا مطالعہ کیا تھا۔ اور کیا سرسری مطالعہ کیا تھا یا آپنے پورے غور و تامل سے پڑھتے رہے تھے اور اگر آپ اسے واقعی غور سے پڑھتے رہے تو کیا کوئی خطرناک نتیجہ آپکے ذہن میں آتا رہا یا ہر بار آپ کو نیا لطف و سرور حاصل ہوتا رہا۔ مذکورہ بالا جملہ بھی آپ کا ہی ہے اور "تحذیر الناس میری نظر میں" کی ص ۴۴ کی درمیانی عبارت بھی آپ کی ہے کہ پہلی بار کے مطالعہ سے آپ کی توجہ ادھر مبذول نہ ہو سکی۔ ہم حیران ہیں کہ آپ کی کس بات کو درست مانیں۔ اور پھر بات خود بھی مانتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے بھی یہ بات صرف ایک جگہ نہیں کہی بار بار دہرائی ہے۔ ہاں آپ دونوں میں تطبیق دے دیں تو یہ آپ کی ایک نئی علمی شان ہوگی۔ ہم تو پھر بھی شکرگزار ہیں کہ آپ نے اپنی ص ۴۴ کی بات کی ص ۵۸ پر تردید کر دی ہے ص ۴۴ کی بات سے بریلوی خوش ہونگے اور ص ۵۸ کی بات کے باعث دیوبندی حضرات بھی کسی شکوہ کے لائق نہ رہے ہونگے۔ محترم پیر صاحب نے لکھا ہے۔

"یہ کہنا درست نہیں سمجھتا کہ مولانا نانوتویؒ عقیدہ ختم نبوۃ کے منکر تھے، کیونکہ یہ اقتباسات بطور عبارۃ النص اور اشارۃ النص اس امر پر بلاشبہ دلالت کرتے ہیں کہ مولانا نانوتویؒ ختم نبوت زمانی کو ضروریات دین سے یقین کرتے تھے۔" (تحذیر الناس میری نظر میں ص ۵۸)

یہ عبارت ہم پہلے بھی نقل کر چکے ہیں ہم اس پر یہاں مزید اظہار تشکر کے خواستگار ہیں۔

عبارت النص اگر دلالت کر رہی ہے تو وہ عبارت النص کیا رہی اور اگر وہ عبارت النص ہی ہے تو پھر آپ دلالۃ النص کسے کہتے ہوں گے۔ پھر جو اشارۃ النص اشارہ نہ کرے دلالت کرے اسے اشارۃ النص کہنا کس پہلو سے درست ہوگا ان نئے معلومات پر ہم حضرت پیر صاحب کے مزید شکر گزار ہیں۔

بر سرِ مطلب آمدیم

تحذیر الناس کا موضوع قارئین کے سامنے آچکا ہے اس میں مسلمانوں کو صحابیِ رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے انکار سے روکنے کی ایک علمی کوشش کی گئی ہے۔ کوشش مولانا احمد رضا خاں کے نزدیک غلط ہے اور پیر کرم شاہ صاحب کے نزدیک بلاشبہ صحیح ہے ان کے نزدیک حضرت مولانا محمد قاسمؒ ختم نبوت کے ہرگز منکر نہیں ہیں۔ اب ہم قادیانی فتنے کے پیش نظر مسئلہ ختم نبوت اور اس باب میں علماء حق کی خدمات پر کچھ تبصرہ کرنا چاہتے ہیں اس سے اس کتاب کا سمجھنا انشاء اللہ العزیز بہت سہل ہوگا۔ وما ذالك علی اللہ بعزیز۔

ختم نبوۃ ایک یقینی عقیدہ ہے اسمیں کسی شبہے کی گنجائش نہیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوۃ کا عقیدہ اسلام کے ان اساسی عقائد میں سے ہے جن پر آج تک ساری امت کا بلا کسی تاویل کے ایمان رہا ہے۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا یہ ہمیشہ سے اہل اسلام کا متفق علیہ اعتقاد رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسیلمہ کذاب نے غیر تشریعی نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ وحی نبوت اس پر آتی ہے۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے خلاف فوج کشی کی اور خلافت صدیقی میں صحابہ کا سب سے پہلا اجماع اس پر ہوا کہ منکر ختم نبوۃ مسلمان نہیں اور مسلم حکومت پر فرض ہے کہ شجر الحاد کی بیخ کنی کرے۔ اللہ تعالیٰ نے دین کی حفاظت کی خلفائے راشدین سے عظیم خدمات لی ہیں اور راشدین کو عجیب قبولیت بخشی ہے اسلام کے دور ترقی (UPLIFT) میں جس طرح صدیقی فاروقی عثمانی اور مرتضوی نسبتیں امت پر پوری تابانی سے جلوہ ریز رہیں، مسلمانوں کے دور ہبوط (DOWNFALL) میں جب کوئی الحادی فتنہ اٹھا تو عکسی ترتیب سے راشدین کی اولاد و المقتدی بھم کو ذریت صالحہ کے انعام سے سرفراز ہوتی چلی گئی۔ حضرت علی مرتضیٰؓ کے بعد ایک صدی بھی نہ گزرنے پائی تھی کہ

ہماری تاریخ فکر و نظر کے پہلو سے دورِ ہبوط (DOWN FALL) میں داخل ہو گئی۔ عقائد کی جڑیں اپنی جگہ قائم رہیں مگر عملی قدریں دبتی چلی گئیں ؎

چلی سمت غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخ نہال غم جسے دل کہیں وہ ہری رہی

خلفائے راشدین کی الٰہی قبولیت

رشد راشدین کی عملی قبولیت دیکھئے کہ ان کی اولاد انہی کے آئینے میں اتر کر شجرِ اسلام کی آبیاری کرتی رہی۔ حضرت علیؓ کے پیچھے عکسی ترتیب سے چلیں تو حضرت عثمان غنیؓ کا نام ملتا ہے۔ آپ کی اسلامی خدمات میں قرآن مجید کی خدمت بہت ممتاز ہے تو مسلمانوں کے دورِ ہبوط میں پہلا نظریاتی فتنہ قرآن کے بارے میں ہی اٹھا۔ فتنہ خلق قرآن نے مسلمانوں کو نہایت پر آشوب حالات سے دوچار کیا حکومتوں کی بے پروائی اس میں اور گہرا رنگ بھرتی گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمان غنیؓ کے خاندان کے ہی ایک فرد جلیل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اموی کو توفیق بخشی کہ انہوں نے پھر سے خلافتِ راشدہ کی یاد تازہ کر دی پھر آپ کی اولاد میں وہ اکابر پیدا ہوئے جنہوں نے خدمتِ قرآن میں اپنے عثمانی ہونے کا حق ادا کر دیا۔ دور نہ جائیں اسی عہد قریب میں دیکھیں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (صاحب تفسیر مظہری) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ (صاحب تفسیر معارف القرآن) مولانا ظفر احمد عثمانی سب ہی نسبت کے امین اور قرآن کی خدمت کرنے والے تھے۔

حضرت عثمانؓ سے پیچھے چلیں تو حضرت عمر فاروقؓ کا نام آتا ہے۔ آپ نے جس طرح کفار و مشرکین کو عظمتِ اسلام کے آگے سرنگوں کیا۔ اس کے برعکس مغل تاجدار اکبر جیسے کمزور مسلمان نے اسلام کو ہندوؤں کے سامنے بے قدر کر دیا اور دین الٰہی کے نام سے ایک نیا دین جاری کیا۔ اسلام کو بے آبرو کرنے کا یہ انتہائی خطرناک قدم تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جہانگیر کے عہد میں اس بے دینی کی بساط الٹنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے ہی حضرت امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی کو اس کے مقابلے میں لا کھڑا کیا اور یہ فاروقی نسبت تین صدیوں تک تحفظ اسلام کی علمبردار رہی۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ اور حکیم الامت حضرت شاہ اشرف علی تھانوی سب اسی نسبتِ فاروقی کے امین تھے۔ یہ خلفاء راشدین کی الٰہی مقبولیت ہے کہ ان کی اولاد

رشدراشدین میں منصبغ (رنگین) ہوکر اسی رنگ میں خدمت اسلام کرتی رہی۔ کسی نے موقع نہ دیا کہ کوئی الحاد قلعہ اسلام میں گھس آئے۔

خلافت کی عکسی ترتیب میں حضرت عمر کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کا نام آتا ہے۔ آپ کی اسلامی خدمات میں عقیدہ ختم نبوۃ کا تحفظ بہت نمایاں تھا۔ پس لازم تھا کہ تاریخ کے اس دور ہبوط میں انکار ختم نبوۃ کا فتنہ پھر پوری قوت سے ابھرے۔ چنانچہ ایران میں بہاء اللہ اور ہندوستان میں مرزا غلام احمد قادیانی نے مادی وسائل بروئے کار لاکر نبوت کے دعوے کیے۔ اب ضروری تھا کہ حضرت ابوبکر الصدیق کی نسبت پھر سے جلوہ گر ہو اور آپ کی اولاد سے کوئی مرد کار اٹھے اور فتنۂ انکار ختم نبوۃ کے خلاف وہ طرح ڈالے کہ اس کے متوسلین ختم نبوۃ کی خدمت میں ایک تاریخ بن جائیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مصنف تحذیرالناس نسب صدیقی کے ساتھ اسی نسبت صدیقی کے امین تھے اور کتاب تحذیرالناس نے وہ اساس مہیا کی ہے جس سے آئندہ پیدا ہونے والے ہر فتنے کی جڑ کٹتی ہے جو کسی تاویل سے ختم نبوت کے گرد گھومتا ہو۔

علم الٰہی میں پہلے سے معلوم تھا کہ مرزا غلام احمد کس پہلو سے عقیدہ ختم نبوۃ پر حملہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ذریعے اس مغالطے کو پہلے سے زائل فرمادیں۔ اسے جاننے کے لیے پہلے مرزا غلام احمد کی تشریح ختم نبوت پر نظر کرنا ضروری ہے۔

مرزا غلام احمد کی تشریح ختم نبوت

مرزا غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت کے عنوان سے انکار نہیں کیا نہ کہیں یہ کہا کہ وہ اور اس کی جماعت حضورؐ کو خاتم النبیین نہیں مانتے۔ اس نے ختم نبوۃ کا یہ معنی بیان کیا کہ حضور نبوت کا مرکز ہیں، جن سے آگے نبوت پھیلتی ہے اور جو بھی نبوت پائے گا اس پر آپ کی نبوت کی مہر ہوگی۔ مرزا غلام احمد اپنی تشریح میں ختم نبوت مرتبی کا عقیدہ رکھتا تھا اور ختم نبوت مرتبی کو ختم نبوت زمانی کے متوازی سمجھتے ہوئے ختم نبوت مرتبی کا اقرار اور ختم نبوت زمانی کا انکار کرتا تھا۔ اس کے ذہن کے مطابق یہ دو متقابل نظریات تھے۔ چنانچہ مرزا غلام احمد کے پیرو ختم نبوت مرتبی کا اقرار کرتے ہیں۔ اور ختم نبوت زمانی کے منکر ہیں۔

قادیانی تشریح کا خطرناک پہلو

مسلم عوام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ وشان سے والہانہ عقیدت رکھتے ہیں، جب وہ قادیانی مبلغین سے سنتے ہیں کہ ختم نبوت کا اصل مفہوم یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سارے کمالات ختم مانے جائیں اور یہی حضورؐ کی ختم نبوت ہے تو کئی عوام جوش عقیدت میں قادیانیوں کے پنجۂ الحاد میں آجاتے ہیں۔ ختم نبوت زمانی کتنا پختہ عقیدہ کیوں نہ ہو ختم نبوت مرتبی میں عقیدت بہر حال زیادہ ہے اور وہ ظاہر میں لوگوں کو زیادہ کھینچتی ہے۔

اسلام کا اعجاز اور مسلمانوں کی الٰہی رہنمائی

مرزا غلام احمد نے ابھی اس الحاد کے کانٹے نہ بچھائے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرۃ ابوبکر صدیقؓ کی نسل سے ایک مرد حق آگاہ کو پیدا کیا۔ جس کے دل میں اللہ نے یہ بات ڈالی کہ ختم نبوت مرتبی خود عقیدہ اسلام ہے۔ اس نے بتایا اور اس پر زور دیا کہ ختم نبوت مرتبی کو مانو تو ختم نبوت زمانی کا انکار نہیں ہو سکتا بلکہ یہ دونوں مفہوم بیک وقت جمع ہو سکتے ہیں اور یہی عقیدہ اسلام ہے کہ حضورؐ پر سب کمالات نبوت بھی ختم ہیں اور حضورؐ زمانے میں بھی سب سے آخر میں ہیں۔ یہ مرد حق آگاہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تھے۔

مرزا غلام احمد اور مولانا محمد قاسم کی تشریحات میں فرق

مرزا غلام احمد قادیانی کے عقیدے میں ختم نبوۃ مرتبی اور ختم نبوۃ زمانی دو متوازی اور متقابل مفہوم ہیں۔ ختم نبوۃ مرتبی کے اقرار سے ختم نبوۃ زمانی کا انکار ہے، مگر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے عقیدے میں یہ دونوں مفہوم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں جمع تھے۔ پس آپ کا ختم نبوۃ مرتبی کا اقرار ختم نبوۃ زمانی کا ہرگز انکار نہیں۔

لزوم ختم نبوۃ زمانی پر مولانا محمد قاسم کی تقریر

حضرت مولانا تحذیر الناس میں لکھتے ہیں :

" بالجملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصف نبوت میں موصوف بالذات اور سوائے آپ کے اور انبیاء موصوف بالعرض اس صورت میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

اول یا اوسط میں رکھتے تو انبیاء متاخرین کا دین اگر مخالف دین محمدی ہوتا تو اعلیٰ کا ادنیٰ سے منسوخ ہونا لازم آتا اور انبیاء متاخرین کا دین اگر مخالف نہ ہوتا تو یہ بات تو ضرور ہے کہ متاخرین پر وحی آتی اور افاضہ علوم کیا جاتا ورنہ نبوت کے پھر کیا معنی۔ سو اس صورت میں اگر وہی علوم محمدی ہوتے تو بعد وعدہ محکم اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ان کی کیا ضرورت تھی؟ اور اگر علوم انبیاء متاخرین علوم محمدی کے علاوہ ہوتے تو اس کتاب کا تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ہونا غلط ہو جاتا ایسے ہی ختم نبوت بمعنی معروض کو تاخر زمانی لازم ہے۔[1]

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ہاں بناء خاتمیت تو یہ ہے کہ آپ وصف نبوت سے موصوف بالذات ہیں، لیکن آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس بناء خاتمیت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالفعل تشریف لانے پر تاخر زمانی لازم ہے۔ آپ تحذیر الناس میں بھی اس کی تصریح فرما گئے ہیں۔ یوں ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔

"خاتمیت بھی بوجہ احسن ثابت ہوتی ہے اور خاتمیت زمانی بھی ہاتھ سے نہیں جاتی۔"[2]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں حضرت مولانا محمد قاسم نے یہ کہا تھا کہ عوام کے خیال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب سے آخری نبی ہیں۔ اس سے مراد اس عقیدے کی تردید نہ تھی لفظ خاتم کو صرف اس معنی میں محدود کرنے کو آپ عوام کا خیال کہہ رہے تھے۔ آپ کے عقیدے میں بناء خاتمیت کو تاخر زمانی کہ آپکا زمانہ آخری مانا جائے بہرحال لازم تھی اور اس میں آئندہ آنے والے مدعی نبوت کا سد باب بھی تھا۔ مولانا مرحوم لکھتے ہیں:۔

"عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپکا زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد ہے اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقام مدح میں وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا

---

[1] تحذیر الناس صہ ۵۱ ، [2] تحذیر الناس صہ ۵۵

تھا۔ بلکہ بنارِ خاتمیت اور بات ہے جس سے تأخرِ زمانی اور سدِ باب مذکور[1] خود بخود لازم آجاتا ہے اور فضیلتِ نبوی دوبالا ہو جاتی ہے[2]۔

اس عبارت کو دیکھئے اور بار بار دیکھئے۔ یہ بات آپ پر خود بخود روشن ہو جائے گی کہ آپ عوام کے عقیدے کی تردید نہیں کر رہے بلکہ صرف ایک معنی میں محدود کرنے کی اصلاح کر رہے ہیں۔ آپ جس بات کو بنارِ خاتمیت قرار دیتے ہیں اسے آپ کا سب سے آخری زمانہ میں ہونا خود بخود لازم آرہا ہے۔ اور یہی فضیلت گو بالتبع سہی۔ نفی صرف بالذات فضیلت کی ہے۔

ہاں خاتمیت مرتبی کا وہ پہلو جس کے تحت انبیاء سابقین کو آپ کا فیض ملا اور انہوں نے آپ سے اس طرح جلا پائی جیسے چاند سورج سے مستنیر ہوتا ہے۔ انبیاء کے افراد خارجیہ (جو عملاً دنیا میں تشریف لاتے رہے) سے ہی خاص نہیں ان کے افرادِ مقدرہ (جو صرف فرض کیے جائیں) کے لحاظ سے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بالفرض آپ کے بعد کوئی نبی مقدر ہوتا تو بھی آپ کی خاتمیت مرتبی بیشک قائم رہتی اور وہ آپ کے ماتحت ہوتا۔ ہاں اس کے بالفعل آنے سے ختم نبوت زمانی بے شک قائم نہ رہتی اور یہ خلاف عقیدہ اسلام ہوتا، کیونکہ اسلام میں ختم نبوت زمانی پر ایمان لانا بھی ضروریاتِ دین میں سے ہے

حضرۃ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ پر بہتان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا۔ یہ بات ہر مسلمان کو معلوم ہے۔ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہیں جانا وہ مسلمان نہیں، کیونکہ آپ کے آخری نبی ہونے پر ایمان رکھنا ضروریاتِ دین اسلام میں سے ہے۔

علماء راسخین نہ صرف مسائل جانتے ہیں، بلکہ ان کے اصول اور علل و اسباب کو بھی پہچانتے ہیں۔ دینِ حکیم کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کی اساس اور

---

[1] مولانا لکھتے ہیں: "یہ احتمال کہ یہ آخری دین تھا اس لیے سدِ باب مدعیان نبوت کیا جو کل جھوٹے دعوے کر کے خلائق کو گمراہ کریں گے، البتہ فی حد ذاتہ قابل لحاظ ہے۔" اسمیں بھی ختم نبوت زمانی کا واضح اقرار ہے۔ [2] تحذیر الناس ص ۴ طبع ۲

حکمت کیا ہے ؟ اس سوال کا جواب علماء اسلام کے ذمہ تھا۔ عوام صرف اتنا جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ انبیاء سابقین کے زمانہ کے بعد ہے اور آپ سب سے آخری نبی ہیں اور بس۔ اسکی وجہ کہ آپ کو سب سے آخر میں کیوں رکھا ہنوز محتاج تفصیل تھی۔

جن علماء امت نے شریعت کے اسرار و حکم کھول کھول کر بیان فرمائے ان میں امام غزالیؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا نام سرفہرست ہے آپ نے ختم نبوت کی اساس اور حکمت سے بحث کی اور حق یہ ہے کہ آپ نے اس انتہائی لائق احترام موضوع کا حق ادا کر دیا۔

آئیے پہلے اس پر غور کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے اور معلوم کریں کہ آپ کو کس وجہ سے آخری نبی بنایا گیا۔ اس کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں۔

۱ــــ چونکہ آپ کی لائی ہوئی کتاب کی ابدی حفاظت کا وعدہ تھا اس لیے آئندہ کسی نبی کی ضرورت نہ تھی۔ آپ پر نبوت و رسالت کا دروازہ اس لیے بند فرمایا کہ اب اس کی ضرورت نہ رہی تھی۔

۲ــــ منظور باری تعالیٰ تھا کہ آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہو۔ آخر یہ سلسلہ کہیں ختم بھی تو کرنا تھا۔ اس لیے آپ کو آخری نبی کہا۔ اعلان کی وجہ یہ تھی کہ ان مدعیان نبوت کا سد باب کیا جائے جو آپ کے بعد جھوٹے دعوے کر کے خلائق کو گمراہ کریں گے۔

۳ــــ آپ کا دین ہر لحاظ سے کامل اور مکمل تھا۔ اس لیے آپ کے بعد کسی اور پیغمبر کی ضرورت نہ ہو سکتی تھی۔ جب ضرورت ہی باقی نہ رہی تو آپ کو آخری نبی بنا دیا۔

۴ــــ علم الٰہی میں مقدر تھا کہ آپ کی تیار کردہ جماعت صحابہ کرامؓ اس دین کے آخر تک وفادار رہیں گے اور علماء امت کا ایک طبقہ آخر دنیا تک حق پر قائم رہے گا۔ اس لیے آپ کی ذات پر نبوت کا دروازہ بند فرمایا کیونکہ کار نبوت " ورثۃ الانبیاء " کے ذریعہ تا آخر قائم رہنا تھا۔

یہ وجوہ بے شک برحق ہیں لیکن علت العلل نہیں۔ بنیادی وجہ ایسی ہونی چاہیے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی شان براہ راست لپٹی ہو۔ پہلی وجہ میں قرآن کریم کی شان کا بیان ہے جو بالواسطہ حضور کی عظمت کا نشان ہے بلا واسطہ نہیں۔ دوسری وجہ میں اس کی اساس امت کی فتنوں سے حفاظت ہے۔ تیسری وجہ میں دین کی شان ملحوظ ہے اور چوتھی میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور علماء امت

کی وفاداری کا ذکر ہے۔ جو حضورؐ کے کمالات کے پرتو ہیں اُن کی اساس نہیں لیکن ان تمام کمالات کا دائرہ جس مرکز کے گرد گھوم رہا ہے۔ اور یہ کمالات بالواسطہ جس کی عظمت شان کا پتہ دے رہے ہیں۔ اس کی اپنی شان جو بلا واسطہ آپ کی ذاتِ گرامی میں لپٹی ہو ان بیان کردہ وجوہ میں کہیں اس کا باعث معلوم نہیں ہوتی حالانکہ اصل بات وہ ہونی چاہیئے۔ جو آپ کی ذات میں بلا واسطہ ظاہر ہے۔ علت العلل وہ ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی شان اور مقام کا پتہ دے۔

یہ وجوہ اپنی جگہ درست ہیں لیکن یہ سب آپ کی شان خاتمیت کے آثار ہیں۔ ان کے پیچھے علت العلل وہ قرار دی جائے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے براہ راست متعلق ہو حضرۃ مولانا محمد قاسمؒ اس علت العلل کی طرف رہنمائی کرنا چاہتے ہیں۔ وہ علت العلل آپ کے الفاظ میں یہ ہے۔

"بالجملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصفِ نبوت میں موصوف بالذات ہیں اور سوائے آپ کے اور انبیاء موصوف بالعرض" (تحذیر الناس ص۵)

مولانا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ باقی سب انبیاء کی نبوت آپ کی نبوت کا فیض اور اثر ہے۔ جیسے آفتاب سے چاند کو روشنی ملتی ہے۔ اس طرح ہر پیغمبر نے اس آفتاب نبوت سے روشنی پائی ہے۔ آپ صرف اس امت کے نبی نہیں آفتاب نبوت کی حیثیت سے نبی الانبیاء بھی ہیں اور باقی سب انبیاء اپنی اُمتوں سمیت آپ کی مرکزی سیادت کے ماتحت ہیں۔ جس طرح موصوف بالذات پر موصوف بالعرض کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ آپ کی تشریف آوری پر اس سلسلے کا ختم ضرور تھا۔ اس لیے آپ نبیوں کے ختم پر تشریف لائے بنار خاتمیت بس یہی ہے۔ اس کے آثار و نتائج میں سے تھا کہ آپ کو سب سے آخر میں رکھتے یہ ختم نبوت زمانی اس بنار خاتمیت کو لازم تھی۔ ہاں آپ کی خاتمیت کی جو نسبت انبیاء سابقین کے ساتھ تھی وہ خاتمیت مرتبی تھی جیسے موصوف بالعرض موصوف بالذات سے مستفیض اور چاند سورج سے مستنیر ہوتا ہے۔ اس ختم نبوت مرتبی کے ساتھ زمانے کی قید نہیں۔ آپ انبیاء سابقین کے بھی مرکز ہیں۔ آپ کی شان مرتبی کا یہ پہلو انبیاء سابقین سے ہی خاص نہیں بلکہ اگر بالفرض آپ کے بعد بھی کوئی نبی ہوتا تو بھی آپ کی اس معنی کی خاتمیت میں فرق نہ آتا۔ خاتمیت مرتبی بہر حال قائم تھی۔

لیکن حکمت خداوندی متقاضی ہوئی کہ آپ کی تشریف آوری پر اس بنار خاتمیت کے ساتھ

ختم نبوت زمانی بھی لازم کی جائے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ کا زمانہ آخری زمانہ ہو اور آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہو اور یہی عقیدۂ اسلام ہے۔

خاتمیت مرتبی کا بیان

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا اگر وصف نبوت سے موصوف بالذات ہونے کے معنی میں لیا جائے تو بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کوئی نبی ہوتا تو اس کے باوجود آپ کی خاتمیت مرتبی قائم رہتی۔ مولانا فرماتے ہیں۔

"غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گزشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں نبی ہو جب بھی آپکا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ مگر جیسے اطلاق خاتم النبیین اس بات کا مقتضی ہے کہ اس لفظ میں کچھ تاویل نہ کیجیے اور علی العموم تمام انبیاء کا خاتم کہیے اسی طرح ...... الخ ۶۵"

یہاں بات اس شرط پر کہی جا رہی ہے "اگر بایں معنی تجویز کیا جائے" آگے اس کی جزا مذکور ہے۔ وہ معنی کیا ہے؟ "حضور کا وصف نبوت سے موصوف بالذات ہونا" ظاہر ہے اس معنی کے اعتبار سے آپکے زمانہ میں بھی کہیں نبوت ہو تو آپ کا خاتم ہونا ختم نبوت مرتبی کے لحاظ سے بدستور قائم رہتا ہے۔ افسوس کہ ملحدین ان خط کشیدہ الفاظ کو سرے سے ہٹا دیتے ہیں اور بات الجھ کر رہ جاتی ہے۔

اس عبارت کو اس شرط سے کاٹ کر بیان کرنا اور خاتمیت سے ختم نبوت مرتبی مراد نہ لینا اس عبارت پر بڑا ظلم ہوگا۔ اسلام کے مجموعی عقیدے کے لیے ختم نبوت مرتبی اور ختم نبوت زمانی دونوں کو ماننا ضروری ہے۔ اسی طرح تحذیر الناس میں ایک دوسری جگہ ہے: ص ۸۳

"ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف نبوت لیجیے جیسا اس ہیچمدان نے عرض کیا ہے تو پھر سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کو افراد مقصودہ بالخلق میں سے مماثل نبوی نہیں کہہ سکتے، بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کے افراد خارجی ہی پر عملاً دنیا میں تشریف لائے ابھی پر آپ کی فضیلت ثابت نہ ہوگی افراد مقدرہ پر جو

صرف فرض کیے جائیں، پر بھی آپ کی فضیلت ثابت ہو جائیگی، بلکہ بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدیؐ میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ [1]

یہاں یہی بات شرط کے ساتھ کہی جارہی ہے اور موضوع ختم نبوت مرتبی کا بیان ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی مقدر مانا جائے تو اسے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتاب نبوۃ سے مستنیر مقدر مانا جائیگا۔ اور اس سے حضورؐ کی خاتمیت مرتبی میں واقعی کچھ فرق نہیں آئے گا۔

اس بات کو اس شرط سے کاٹ کر بیان کرنا اور آخری الفاظ "خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہیں آئے گا" سے ختم نبوت زمانی مراد لینا اس عبارت میں بڑا ظلم ہوگا، کیونکہ اسلام کے مجموعی عقیدے میں ختم نبوت مرتبی اور ختم نبوت زمانی دونوں کو ماننا ضروری ہے۔

اس عبارت میں پہلے شرط ہے پھر اس کی جزا تین حصوں میں ذکر کی ہے۔ پہلا حصہ "تو پھر" سے شروع ہوتا ہے۔ دوسرا "بلکہ اس صورت میں" سے۔ تیسرا "بلکہ اگر بالفرض" سے تیسرا حصہ پھر آگے قضیہ فرضیہ تک ہے اور ساری بات اس شرط سے کہی جارہی ہے کہ خاتمیت اتصاف ذاتی بوصف نبوت

---

[1] کسی نہ ہونے والی بات کو فرض کر کے بیان کرنا اہل علم کے نزدیک کبھی قابل اعتراض نہیں رہا۔ قرآن کریم میں ہے لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا (پ ۱۷ سورۃ انبیاء آیت ۲۲) ترجمہ: اگر ہوتے دونوں (زمین و آسمان) میں اور معبود سوائے اللہ کے تو دونوں خراب ہو جاتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "لو کان نبی بعدی لکان عمر" (جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۰۹) اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔ فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ نے اس سوال کے جواب میں کہ میدان جہاد میں اگر کوئی پیغمبر کسی مسلمان کی لوٹ میں آجائے تو مسلمان کیا کرے، آپ نے فرمایا "یسئل ذلک النبی" یہ مسئلہ اس نبی سے پوچھ لیا جائے۔ (الاشباہ والنظائر ابن نجیم صفحہ ۳۴۷) اس وقت کسی نے نہ کہا کہ فقیہ ابو اللیث نے امکان نبوت مان لیا اور ختم نبوت کے منکر ہو گئے۔ الشیخ الکامل حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے کہا تھا۔

"اگر فرضاً دریں امت پیغمبرے مبعوث مے شد موافق فقہ حنفی عمل میکرد" (مکتوبات شریف دفتر اول صفحہ ۲۶۵ مکتوب ۲۸۲)

اس پر آج تک کسی نے نہ کہا کہ وہ (معاذ اللہ) ختم نبوۃ کے منکر ہو گئے، مگر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے جب انہیں یہاں فرض مقدر کے طور پر ذکر کیا تو حکومت برطانیہ نے مولانا کے خلاف اس سے سیاسی فائدہ اٹھایا۔ افسوس ان لوگوں پر جو اقتدار اغیار سے دب کر حضرت نانوتویؒ پر انکار ختم نبوۃ کی تہمت لگاتے ہیں۔

کے معنی میں لی جا رہی ہو حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف ختم نبوت مرتبی کا بیان تھا زمانی کا نہیں۔

مولانا احمد رضا خاں کے ہاتھ کی صفائی

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے پہلے ص۶۵ کی عبارت میں سے شرط کو حذف کر کے جزا کا صرف دوسرا حصہ لے لیا پھر اس کے ساتھ ص۸۵ کی مذکورہ عبارت میں سے شرط کو حذف کر کے بلکہ جزاء کے بھی پہلے اور دوسرے حصے کو چھوڑ کر صرف تیسرے حصے کو جوڑا اور اس کے بعد اسی کتاب کے ص۴۰ سے ایک عبارت اس کے اضراب کو (جو سطر۲ پر بلکہ سے شروع ہو رہا ہے) چھوڑ کر اس کے ساتھ جوڑ دی ہے۔ اس طرح مولانا احمد رضا خاں صاحب نے تحذیر الناس کے ص۶۵، ص۸۵، اور ص۴۱ کی عبارتیں (ہر ہر عبارت کی شرطیں اور اضراب حذف کر کے) جوڑ کر ایک مسلسل عبارت بنا دی۔

اس مسلسل عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مولانا محمد قاسم ختم نبوت زمانی کے منکر تھے اور یہ عبارت ختم نبوۃ زمانی کے انکار کے لیے ہی آپ نے تحریر فرمائی ہے۔ حالانکہ آپ نے اسی کتاب میں جگہ جگہ ختم نبوت زمانی کا اثبات فرمایا تھا۔ مگر مولانا احمد رضا خاں نے ان تمام تصریحات کو انگریزوں کے کھاتے میں ڈال دیا۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ایک اور مقام پر ختم نبوۃ زمانی کی اس طرح تصریح کرتے ہیں

"منجملہ حرکات سلسلہ نبوت بھی تھی، سو بوجہ حصول مقصود اعظم ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم وہ حرکت مبدل بہ سکون ہوئی، البتہ اور حرکتیں ابھی باقی ہیں اور زمانہ آخر میں آپکے ظہور کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔"[۱]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ہونیکا عقیدہ اتنا اہم اور ضروری ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسمؒ اس کے منکر کو کافر بتلاتے ہیں۔

"سو اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے، ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالت التزامی ضرور ثابت ہے۔ ادھر تصریحات نبویہ مثل انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام بظاہر بطرز مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے اس باب میں کافی ہے کیونکہ یہ مضمون درجہ تواتر

---

[۱] تحذیر الناس ص۴۳

کو پہنچ گیا ہے پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا ہے، گو الفاظ مذکور بسند متواتر منقول نہ ہوں، سو یہ عدم تواتر الفاظ باوجود تواتر معنوی یہاں ایسا ہی ہوگا، جیسا تواتر اعداد رکعات فرائض و وتر وغیرہ۔ باوجودیکہ الفاظ حدیث مشعر تعداد رکعات متواتر نہیں جیسا کہ ان کا منکر کافر ہوگا ایسا ہی ان کا منکر بھی کافر ہوگا۔ اب دیکھئے کہ اس صورت میں عطف بین الجملتین اور استدراک اور استثناء مذکور بھی بغایت درجہ چسپاں نظر آتا ہے اور خاتمیت بھی بوجہ احسن ثابت ہوتی ہے اور خاتمیت زمانی بھی ہاتھ سے نہیں جاتی[1]

پھر مولانا ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

"اپنا دین و ایمان ہے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تاویل کرے اسے کافر سمجھتا ہوں"[2]

آپ دیکھیں کہ مولانا مرحوم کس طرح جگہ جگہ خاتمیت زمانی کا اقرار کر رہے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھیں کہ مولانا احمد رضا خان نے کس ہوشیاری سے خوف خدا سے بے پرواہ ہو کر مولانا مرحوم کی کتاب تحذیر الناس کے ص۱۴، ص۲۸ اور ص۳ سے عبارتوں کے نامکمل ٹکڑے لیے ہیں اور انہیں جوڑ کر ایک مسلسل عبارت بنا دی ہے۔ اور پھر اسے مولانا مرحوم کے ذمے لگایا ہے اور پھر علماء حرمین سے جو اردو نہ جانتے تھے اُن پر کفر کا فتویٰ لیا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کے پھیلائے ہوئے تفریق کے یہ کانٹے اب تک امت کے پاؤں کو زخمی کر رہے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں نے ہاتھ کی صفائی سے جو عبارت ترتیب دی اسے ہم یہاں حسام الحرمین سے نقل کرتے ہیں۔ اس عبارت کو بھی دیکھئے اور تحذیر الناس کے ان گہرے اور علمی مضامین پر بھی غور کیجیے جنہیں ہم اوپر نقل کر آئے ہیں۔ اصل کتاب تحذیر الناس کو ملاحظہ کیجئے اور ستم کیشوں کے ستم کی داد دیجئے۔ مولانا احمد رضا خاں نے حسام الحرمین میں عبارت اس طرح بنا کر پیش کی ہے۔

"بلکہ بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت

---

[1] تحذیر الناس ص۵۶۔ [2] جوابات محذورات ص۵۰

محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب میں آخری نبی ہیں، مگر اہلِ فہم پر روشن کہ تقدم یا تاخر زمانہ میں بالذات کچھ فضیلت نہیں ہے الخ[1]

آخری فقرہ جو عوام کے خیال سے شروع ہوتا ہے وہ تحذیر الناس کے ص۳ پر ہے، شروع کا جملہ ص۶۵ پر ہے درمیانہ جملہ ص۸۵ پر ہے۔ مولانا احمد رضا خاں نے انہیں ایسی ترتیب سے جوڑا ہے کہ یہ مسلسل عبارت تحذیر الناس کی دکھائی دے رہی ہے اور ان عبارات سے جن میں خاتمیت زمانی کا صریح اقرار ہے صریح طور پر ٹکرا رہی ہے اسے مولانا کے ہاتھ کی صفائی کہیے یا حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اس خبر کی تصدیق کہ اس امت میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو یہود کی راہوں پر چلیں گے۔ شبرًا بشبر و ذراعًا بذراع او کما قال النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم۔

پھر آخری الفاظ میں لفظ بالذات پر غور کیجیے۔ اطلاقات بالذات اور بالعرض اہلِ علم پر مخفی نہیں۔ مولانا محمد قاسم کی مراد یہ تھی کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات فضیلت نہیں بالعرض ہے کہ سب کے آخر میں وہی ہونا چاہیئے جو سب سے عالی مرتبہ ہو۔

مولانا احمد رضا خاں نے جب علماء عرب کے سامنے اس عبارت کو پیش کیا تو اس آخری فقرے کا جو عربی ترجمہ کیا اسے ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ مولانا احمد رضا جب یہ ترجمہ کر رہے ہونگے تو ان کا ضمیر اگر زندہ ہوگا تو یقیناً انہیں ملامت کر رہا ہوگا۔ مولانا احمد رضا خاں نے اس کا ترجمہ یہ کیا تھا۔

مع انہ لافضل فیہ اصلاً[2]

اس عربی عبارت کا اصل ترجمہ یہ ہے "حالانکہ اس میں بالکل کوئی فضیلت نہیں" اور یہ بات حضرت مولانا محمد قاسم نے ہرگز نہ کہی تھی۔ وہاں صرف بالذات کی نفی تھی بالعرض کی نفی نہ تھی مگر مولانا احمد رضا خاں نے اصلاً کے الفاظ سے ہر دو کی نفی کر دی۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔

نامناسب نہ ہوگا کہ یہاں دو سوالوں کا جواب بھی گزارش کر دیا جائے جو اس موضوع میں بعض لوگوں نے کیے ہیں

---

[1] تحذیر الناس ص۶۵، ص۸۵، ص۳

[2] حسام الحرمین ص۱۳

سوال :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے لیے اصلی اور ذاتی کے الفاظ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے پہلے کسی نے استعمال نہیں کیے۔

جواب : علامہ فاسیؒ نے دلائل الخیرات کی شرح میں اسم داعی کے تحت اس پر مفصل بحث کی ہے۔ آپ نے حضرت شیخ ابو عثمان فرغانی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ایسے الفاظ میں نقل کی ہے۔

فلم یکن داع حقیقی من الابتداء الی الانتهاء الا هذه الحقیقة الاحمدیة [1]

(ترجمہ : کائنات کی ابتداء سے لیکر انتہا تک حقیقی داعی اس حقیقت احمدیہ کے سوا اور کوئی نہیں رہا)

آپ نے اس بحث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصلی نبی الانبیاء ہونے کو بیان کیا ہے۔

سوال : پہلے انبیاء کرام کو وصف نبوت سے موصوف بالعرض کہنا شبہ پیدا کرتا ہے کہ وہ حقیقی طور پر نبی نہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

جواب :- حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تشریح کیمطابق اس سے مراد صرف یہ ہے کہ وہ انبیاء اپنی ابتداء میں فائز بالنبوۃ نہ تھے بلکہ ان پر نبوۃ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے عارض ہوئی اور اس عروض کے بعد وہ حقیقی نبی ہو گئے۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی ایسا وقت نہ آیا کہ آپ وجود میں پہلے آئے ہوں اور نبوۃ آپکو بعد میں ملی ہو۔ آپ اس وقت بھی نبی تھے جب آدم علیہ وسلم کے جسد میں ابھی روح نہ آئی تھی [2] ہنوز آپ مٹی اور پانی میں منقسم تھے۔

شرح مطالع میں ذاتی کے بہت سے معنی نقل کیے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے لیے ذاتی کا لفظ ان میں سے چھٹے معنی کے اعتبار سے ہے۔

"السادس ان یحصل لموضوع بلا واسطة وفی مقابله العرضی"

افسوس کہ بعض کم علم حضرات نے تحذیر الناس کی اس بحث میں عرضی کو عارضی کے معنی میں سمجھ لیا اور گمان کیا کہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے (معاذ اللہ) باقی سب انبیاء کی نبوت کو عارضی کہہ دیا ہے حالانکہ اہل اسلام میں سے کوئی اس کا قائل نہیں کہ اللہ تعالی کسی کو فائز نبوت فرما کر پھر اس سے نبوت لے لیں۔ یہ تو یہودیوں کا اعتقاد تھا جو بلعم بن باعور کے بارے میں اس قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

کتاب تحذیر الناس گو بہت علمی کتاب ہے مگر اپنے موضوع میں نہایت واضح اور صاف ہے

---

[1] مطالع المسرات ص۱۰۲ مطبوعہ مصر علامہ شامی نے بھی اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ [2] دیکھئے جامع ترمذی ص۲۰۱

اور کہیں یہ ابہام نہیں کہ حضرت مولانا المرحوم ختم نبوت زمانی کے منکر ہوں، بلکہ جابجا آپ نے اس کا اثبات فرمایا ہے۔ ناظرین کرام سے درخواست ہے کہ جہاں کوئی وقت محسوس کریں پھر سے اس مقدمہ پر نظر کریں انشاء اللہ العزیز ہر شبہ زائل ہو جائے گا۔

ستبدی لک الایام ما کنت جاھلا ویاتیک بالاخبار من لم تزود

ہم آخر میں جناب خواجہ قمر الدین سیالوی اور جناب پیر کرم شاہ صاحب کی دو تحریریں پیش کرتے ہیں جو تحذیر الناس کے حق ہونے پر مولانا احمد رضا خان کی صریح تردید کر رہی ہیں۔

جناب خواجہ قمر الدین سیالوی کی تحریر ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں۔

"میں نے تحذیر الناس کو دیکھا۔ میں مولانا محمد قاسم صاحب کو اعلیٰ درجہ کا مسلمان سمجھتا ہوں، مجھے فخر ہے کہ میری حدیث کی سند میں ان کا نام موجود ہے خاتم النبیین کے معنی بیان کرتے ہوئے جہاں مولانا کا دماغ پہنچا ہے وہاں تک معترضین کی سمجھ نہیں گئی۔ قضیہ فرضیہ کو قضیہ واقعیہ حقیقیہ سمجھ لیا گیا ہے"[1] فقیر قمر الدین سیال شریف

جناب پیر کرم شاہ صاحب مولانا کامل الدین رتو کالوی کے نام اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔

"حضرت قاسم العلوم کی تصنیف لطیف مسمّی بہ تحذیر الناس کو متعدد بار غور و تامل سے پڑھا اور ہر بار نیا لطف و سرور حاصل ہوا۔

"جہاں تک فکر انسانی کا تعلق ہے حضرت مولانا قدس سرہ کی یہ نادر تحقیق کئی شپرہ چشموں کے لیے سرمۂ بصیرت کا کام دے سکتی ہے۔ سب سے فریفتگان سامان مصطفوی قرآن کے لیے بے قرار دلوں اور بے تاب نگاہوں کی دلفگیوں میں اضافہ کا ہزار سامان اس تحذیر الناس میں موجود ہے۔

"مولانا خاتم النبیین کی آیت کی تحقیق فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ختم نبوت کے دو

---

[1] وصول کی آواز" مؤلفہ مولانا کامل الدین رتو کالوی ص۔۔ مطبوعہ شنائی پریس سرگودھا

مفہوم ہیں۔ ایک وہ ہے جہاں تک عوام کی عقل و خرد کی رسائی ہے اور دوسرا وہ ہے جسے خواص ہی خداداد نورِ فراست سے سمجھ سکتے ہیں۔

"ختم نبوت کا یہ ہمہ گیر مفہوم جو مبدا و مآل اور ابتدا اور انتہا کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ اگر امتِ مرزائیہ وغیرہ کی علمی سطح سے بلند تر ہو تو اس میں کسی کا کیا قصور ہے۔"

محمد کرم شاہ از بھیرہ ضلع سرگودھا

پیر کرم شاہ صاحب کے اس فتویٰ پر مولانا ابوسعید مدرس مدرسہ رضویہ مسجد بھیوالی للیانی ضلع سرگودھا کی بھی تصدیق ان الفاظ میں موجود ہے۔

"ھذا کلہ صحیح عندی اس سے ختم نبوۃ ثابت ہے نہ کہ اجرا نبوت"

مولانا ابوسعید کا فہم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی کلام کی مراد کو پا گیا مگر مولانا احمد رضا خاں اسے نہ پا سکے یا انہوں نے عمداً اپنے آپ کو انگریز کے کھاتہ میں ڈال دیا اور ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں عملاً شریک ہونے والے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے خلاف کمر ہمت باندھ لی۔

بعض اصحاب نے خواہش کی کہ جناب پیر کرم شاہ صاحب کا پورا فتویٰ ہدیہ قارئین کر دیا جائے سو دو ورقی فتوے کا عکسی فوٹو پیش خدمت ہے اس پر پیر کرم شاہ صاحب کے اپنے ہاتھ کے دستخط موجود ہیں پھر پیر صاحب نے یہ فقرہ لکھ کر دوبارہ دستخط بھی فرمائے۔

"یہ دستخط میرے ہی ہیں اور مہر بھی لگائی ہے۔"

ممکن ہے بعض حضرات فتوے کے اس عکس فوٹو کو بسہولت مطالعہ نہ کر سکیں اس لیے اسے نئی کتابت میں بھی پیش کر دیا گیا ہے۔ اسے بار بار مطالعہ کریں اور مولانا احمد رضا خاں کے علم و دیانت کی داد دیں۔ خانصاحب نے کس جہل و خیانت کا لباس پہن کر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ پر انکارِ ختم نبوۃ کا الزام لگایا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں حضرۃ نانوتویؒ کے کلام میں ہیر پھیر کرتے مختلف مقامات سے مختلف جملے لیکر انہیں ایک مسلسل عبارت نہ بنا لیتے اور تحذیر الناس کو سمجھنے کی کوشش کرتے تو قادیانیوں کو تحذیر الناس سے استدلال کرنیکا وہم بھی ہو سکتا تھا مگر افسوس کہ مولانا احمد رضا نے قادیانیوں کی بات اسطرح اٹھا کر قادیانیوں کے ہاتھ مضبوط کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ جہاں تک تحذیر الناس سے قادیانی استدلال کا تعلق ہے اس کیلئے راقم الحروف کی کتاب عقیدۃ الامت کیطرف رجوع فرمائیں۔ انشاء اللہ جملہ شبہات کی جڑ خود کٹتی جائے گی۔

عکسی خط پیر محمد کرم شاہ صاحب

نحمدہ ونصلی علی صفوۃ الخلق حبیب الالٰہ خاتم النبیین وعلی آلہ واصحابہ واصفیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین الی یوم الدین۔

حضرت قاسم العلوم کی تصنیف لطیف مسمٰی بہ تحذیر الناس کو متعدد بار غور و تامل سے پڑھا اور ہر بار نیا لطف و سرور حاصل ہوا۔ علماء حق کے نزدیک حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلاۃ کا علم متشابہات سے ہے اور اس کی صحیح معرفت حیطہ امکان سے خارج ہے لیکن جہاں تک فکر انسانی کا تعلق ہے حضرت مولانا قدس سرہ کی یہ نادر تحقیق کئی تشنہ لبوں کیلئے سرمۂ بصیرت کا کام دے سکتی ہے۔ دبے قرار ایگان حسن مطلق کے بے قرار دلوں اور بے تاب نگاہوں کی داد نگینوں میں اضافہ کا ہزار سامان اس میں موجود ہے۔ (تحذیر الناس) زیبا صفحہ

آپ نے اپنے علمی، دقیق اور محققانہ انداز میں یہ واضح کرنے کی سعی فرمائی ہے کہ ہر قسم کا کمال علمی ہو یا عملی، حسی ہو یا معنوی، ظاہری ہو یا باطنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذاتی کمال ہے اور جہاں کہیں کم و بیش اس کی جلوہ نمائی ہے وہ اثر نظر فیض حبیب کبریا علیہ اجمل التحیۃ واطیب الثناء ہے۔

اسی طرح صفت نبوت و رسالت سے نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم متصف بالذات ہیں اور حضور کے طفیل میں گویا یہ شرف عظیم بخشا گیا ہے اس کیلئے حضور کی ذات ستودہ صفات واسطہ فی العروض ہے۔ اسی طرح تمام وہ علوم جو مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء کرام اور رسل عظام کو دیے گئے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کا قلب منیر ان سب علوم الاولین والآخرین کا جامع اور امین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت علیم کا مظہر اول حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے اسی ضابطہ اور مسلمہ قاعدہ کی روشنی میں مولانا خاتم النبیین کی صفت کی تحقیق فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ختم نبوت کے دو مفہوم ہیں۔ ایک وہ ہے جہاں تک عوام کی عقل و خرد کی رسائی ہے اور دوسرا وہ ہے جسے خواص ہی خداداد نور فراست سے سمجھ سکتے ہیں۔ عوام کے نزدیک تو ختم نبوت کا اتنا ہی مفہوم ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں اور حضور کے بعد اور کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اور بے شک یہ درست ہے اس میں کسی مسلمان کو کلام نہیں اور نہ کسی کو مجال شک ہے۔ اور اس میں شک کرنے والا دائرۂ اسلام سے اسی طرح خارج ہے جس طرح دوسری ضروریات دین سے انکار کرنے والا لیکن اس کے علاوہ

ختم نبوت کا دوسرا مفہوم بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ جس طرح موصوف بالعرض کی علت اتصاف کا تجسس کیا جائے تو تلاش و جستجو انسان کو اس موصوف تک لے جاتی ہے جو اس صفت سے موصوف بالذات ہے اور وہاں تک پہنچنے کے بعد تلاش و تجسس کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ غور فرمائیے عالم کی اشیاء صفت وجود سے متصف ہیں لیکن صفت وجود ان میں بالذات نہیں پائی جاتی بلکہ بالعرض پائی جاتی ہے۔ اب اس صفت وجود سے متصف ہونے کی علت کی جب ہم تلاش شروع کریں گے تو یہ سلسلہ ذات باری تک پہنچ کر

بالذات صفتِ وجود سے متصف ہے اور یہاں پہنچ کر یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے ورنہ ماننا پڑے گا کہ ذاتِ خداوندی صفتِ وجود سے بالذات متصف نہیں۔ جو صراحۃً باطل ہے۔ اسلئے جیسے وصف وجود کا سلسلہ موجود بالذات پر جا کر ختم ہو گیا اسی طرح ہر موصوف بالعرض کا سلسلہ موصوف بالذات پر اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔

اسی طرح تمام انبیاء جو صفت نبوت سے بالعرض موصوف ہیں کی وجہ اتصاف بصفۃ النبوۃ کا سراغ لگایا جائے تو فہم رسا اس ذات قدسی صفات تک پہنچ کر رک جاتی ہے جسے حریم کبریا سے رحمۃ للعالمین کی خلعت مرحمت ہوئی ہے اور جس کے سر مبارک پر خاتم النبیین کا نورانی تاج نور افشاں ہے گویا عوام کی قاصر نگاہیں صرف انجام کار حضور کی خاتمیت کو سمجھ سکیں لیکن مقبولانِ بارگاہ صمدیت کو اچھی طرح معلوم ہے کہ حضور مبدأً و مآلاً دونوں طرح سلسلۂ نبوت کے خاتم ہیں۔ اللہم صل علی سیدنا و مولانا محمد خاتم الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ واتباعہ وبارک وسلم الی یوم الدین

ختم نبوت کا یہ ہمہ گیر مفہوم جو مبدأ اور مآل ابتداء اور انتہاء کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اگر امت مرزائیہ کی عقلی سطح سے بلند تر ہو تو اس میں کسی کا کیا قصور؟
اللہ تعالیٰ اپنے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہمیں جادۂ مستقیم پر ثابت قدم رکھے آمین ثم آمین۔

محمد کرم شاہ
من علماء الازہر الشریف
سجادہ نشین
بھیرہ۔ ضلع سرگودھا

۱۱ صفر المظفر ۱۳۸۲ھ
۲۲ جون ۱۹۶۲ء

یہ دستخط جناب صاحبزادہ پیر کرم شاہ صاحب کے ہیں
محمد [illegible]
من علماء الازہر الشریف
بھیرہ

هذا هو الحق عندي [illegible]
[illegible]
۱۲ اگست ۱۹۶۲

نقل خط پیر محمد کرم شاہ صاحب

نحمدہٗ ونصلی علی صفوۃ الخلق حبیب الالٰہ۔ خاتم النبیین

وعلی آلہ واصحبہ واصفیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین الی یوم الدین

حضرۃ قاسم العلومؒ کی تصنیف لطیف مسمّٰی بہ تحذیر الناس کو متعدد بار غور و تامل سے پڑھا اور ہر بار نیا لطف و سرور حاصل ہوا۔ عارف حق کے نزدیک حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلاۃ وسلام متشابہات سے ہے اور اس کی صحیح معرفت انسانی حیطۂ امکان سے خارج ہے لیکن جہاں تک فکر انسانی کا تعلق ہے حضرت مولانا قدس سرہٗ کی یہ نادر تحقیق کئی شپرہ چشموں کیلئے سرمۂ بصیرت کا کام دے سکتی ہے۔ ہے فریفتگان حسن مصطفوی آن کے بے قرار دلوں اور بے تاب نگاہوں کی وارفتگیوں میں اضافہ کا ہزار سامان اس تحذیر الناس میں موجود ہے۔ آپ نے اپنے علمی و تحقیقی اور محققانہ انداز میں یہ واضح کرنے کی سعی فرمائی ہے کہ ہر قسم کا کمال علمی ہو یا عملی، حسی ہو یا معنوی۔ ظاہری ہو یا باطنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذاتی کمال ہے۔ اور جہاں کہیں کم و بیش اس کی جلوہ نمائی ہے وہ اثر فیض حبیب کبریا ہے۔ علیہ اجمل التحیۃ واطیب الثناء

اسی طرح صفت نبوت و رسالت سے نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم متصف بالذات ہیں۔ اور حضور کے علاوہ جس کو یہ شرف بخشا گیا ہے اس کے لیے حضورؐ کی ذات ستودہ صفات واسطہ فی العروض ہے اسی طرح تمام وہ علوم جو مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء کرام اور رسل عظام کو دیئے گئے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا قلب منیر ان سب علوم الاولین والآخرین کا جامع اور امین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت علم روح محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی مربی ہے۔ اسی ضابطہ اور مسلّم قاعدہ کی روشنی میں مولانا خاتم النبیین کی صفت کی تحقیق فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ختم نبوت کے دو مفہوم ہیں ایک وہ ہے جہاں تک عوام کی عقل و خرد کی رسائی ہے اور دوسرا وہ ہے جسے خواص ہی خداداد نورِ فراست سے سمجھ سکتے ہیں۔ عوام کے نزدیک تو ختم نبوۃ کا اتنا ہی مفہوم ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم آخری نبی ہیں۔ اور حضور کے بعد اور کوئی نبی نہیں آسکتا اور بے شک یہ درست ہے اس میں کسی کو کلام نہیں اور نہ کسی کو مجال شک ہے اور اس میں شک کرنے والا دائرۂ اسلام سے اسی طرح خارج ہے جس طرح دوسری ضروریات دین سے انکار کرنے والا لیکن اس کے علاوہ ختم نبوۃ کا دوسرا مفہوم بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ جس طرح موصوف بالعرض کی علت اتصاف کا تجسس کیا جائے تو تلاش و جستجو انسان کو اس موصوف تک لے جاتی ہے۔ جو اس صفت کے موصوف بالذات ہو۔ اور

اس تک پہنچنے کے بعد تلاش و تجسس کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ غور فرمائیے۔ عالم کی تمام اشیاء صفت وجود سے متصف ہیں۔ لیکن صفت وجود ان میں بالذات نہیں پائی جاتی بلکہ بالعرض پائی جاتی ہے۔ اب اس صفت وجود سے متصف چیزکی ہم تلاش شروع کریں گے تو یہ سلسلہ ذات باری تعالیٰ تک پہنچے گا، جو بالذات صفت وجود سے متصف ہے، اور یہاں پہنچ کر یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ ورنہ ماننا پڑے گا کہ ذات خداوندی صفت وجود سے بالذات متصف نہیں، جو صراحۃً باطل اور غلط ہے اس لیے جیسے وصف وجود کا سلسلہ موجود بالذات پر آکر ختم ہو گیا، اسی طرح ہر معروض بالعرض کا سلسلہ موصوف بالذات پر اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔

اسی طرح تمام انبیاء جو صفت نبوت سے بالعرض موصوف ہیں کی وجہ اتصاف بصفۃ النبوۃ کا سراغ لگایا جائے تو فہم رسا اس ذات قدسی صفات (ذات پاک آں والا صفات مراد ہے) تک پہنچ کر رک جاتی ہے جسے حریم کبریا سے رحمۃ للعلمین کی خلعت مرحمت ہوتی ہے اور جس کے سر مبارک پر خاتم النبیین کا نورانی تاج نور افشاں ہے گویا عوام کی قاصر نگاہیں صرف انجام کار حضور کی خاتمیت کو سمجھ سکیں لیکن مقبولان بارگاہ صمدیت کو اچھی طرح معلوم ہے کہ حضور مبدأً و مآلاً دونوں طرح سلسلہ نبوت کے خاتم ہیں۔ اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد خاتم الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ واتباعہ وبارک وسلم الی یوم الدین۔

ختم نبوت کا یہ ہمہ گیر مفہوم جو مبدأ اور مآل ابتداء اور انتہاء کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اگر امت مرزائیہ کی علمی سطح سے بلند تر ہو تو اس میں کسی کا کیا قصور؟

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہمیں جادہ مستقیم پر ثابت قدم رکھے، آمین ثم آمین۔

مہر

دستخط محمد کرم شاہ من علماء الازہر الشریف

سجادہ نشین بھیرہ ضلع سرگودھا۔ ۱ ار صفر المظفر ۱۳۸۳ھ

۲۲ر جون ۱۹۶۳ء

یہ دستخط میرے ہی ہیں اور مہر بھی لگائی ہے۔

محمد کرم شاہ، من علماء الازہر الشریف بھیرہ

ہذا الکلام صحیح عندی اس سے ختم نبوت ثابت ہے نہ کہ اجرائے نبوت

ابو سعید غفرلہ، مدرس مدرسہ سعیدیہ رضویہ، مسجد کھجوالی، عیانی، ضلع سرگودھا

۸ر اگست ۱۹۷۱ء

تحذیر الناس عن انکار اثر ابن عباسؓ کے مضامین بہت بلند پایہ ہیں۔ پیرایہ بیان بھی کہیں کہیں بہت دقیق ہو گیا۔ بریلوی علماء کا حدود اربعہ اس کا متحمل نہ ہو سکتا تھا۔ جناب پیر قمر الدین صاحب سیالوی اور پیر کرم شاہ صاحب مولانا احمد رضا خاں کے شاگرد یا خلیفہ نہ تھے اس لیے وہ تحذیر الناس کے ان مطالب کو پا گئے جن کی گرد کو بھی مولانا احمد رضا خاں نہ پہنچ سکے۔ ان کی تحریر دیکھ کر پھر مولانا احمد سعید صاحب نے بھی اس پر دستخط کر دیے۔

اس پر داعیہ پیدا ہوا کہ اس کا حاشیہ لکھ کر اُسے سب بریلویوں کیلئے سلیس اور قابل فہم بنایا جائے تحذیر الناس کا یہ حاشیہ پہلی کوشش ہے جو عبارات کے ساتھ ساتھ حل کر کے کتاب کو آسان کرنے کیلئے عمل میں لائی گئی ہے۔

اس مقدمہ کی پہلی اشاعت ۱۹۷۹ء میں ہوئی اس وقت ہمارے پیش نظر اس میں بیان کردہ مسئلہ ختم نبوۃ کے بعض دقیق مضامین کی فقط تسہیل تھی ۱۹۸۶ء میں پیر کرم شاہ صاحب نے ایک رسالہ "تحذیر الناس میری نظر میں" نامی شائع کیا اس میں پیر صاحب موصوف نے مسئلہ ختم نبوت کے سوا تحذیر الناس کے بعض دوسرے مضامین کی بھی انتہائی تعریف کی ہے جن میں حضورؐ کی انتہائی شان و رفعت کو بیان کیا گیا ہے۔

جو بریلوی علماء حق کے خلاف دن رات نفرت کا لاوا اگلتے ہیں پیر صاحب نے ان کی اصلاح کے لیے کافی مواد اس رسالہ جمع کر دیا ہے اور بتلایا ہے کہ اکابر علماء دیوبند کس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات رفیعہ کے معترف اور کس طرح مقام نبوت کی عظمت و رفعت کے قائل ہیں پیر صاحب نے لکھا ہے کہ اکابر دیوبند کے عقائد غلامی مصطفےٰ اور عشق حبیب کبریا میں بریلویوں سے کچھ مختلف نہیں۔ پیر کرم شاہ صاحب نے لکھا ہے۔

"جب میں نے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے خیالات پڑھے تو یہ معلوم کر کے میری خوشی کی حد نہ رہی کہ جن عقائد کی بنا پر دیوبندی مکتب فکر کے یہ پر جوش مبلغین امت مسلمہ پر شرک و کفر کی بوچھاڑ کر رہے ہیں ان عقائد کا اقرار تو بانی دار العلوم دیوبند خود کر رہے ہیں۔ بڑی شد و مد اور بڑے ذوق و شوق سے ان کا بار بار تذکرہ کر رہے ہیں۔ اس سے مجھے دوگونہ مسرت ہوئی ایک تو اس لیے کہ ہم اہلسنت جو غلامی مصطفیٰ اور عشق حبیب کبریا کو اپنے لیے دارین کی سعادت اور نجات کا باعث سمجھتے ہیں۔ بفضلہ تعالے ان کے عقائد عین حق اور صحیح ہیں۔ ان کی تصدیق آیات قرآنی اور احادیث نبوی اور علماء ربانیین کے اقوال کے علاوہ دار العلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اپنی اس مختصر کتاب میں بار بار کر رہے ہیں۔

خوشی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ خلیج جو لمحہ بہ لمحہ وسیع سے وسیع تر ہو کر افرادِ ملت کو ایک دوسرے سے دور کرتی جا رہی تھی اس کو پاٹنے کے لیے سامان مل گیا۔ ہم ان بھائیوں کو جو کسی کے بہکانے سے قافلۂ عشق و مستی سے اپنا رشتہ توڑ چکے ہیں اور اسلام کے سچے شیدائیوں پر کفر اور شرک کی تہمتیں لگاتے ہیں انہیں مولانا نانوتوی کے ان ارشادات سے روشناس کر کے اتحاد کی دعوت دے سکیں گے۔"

(از ص ۷، ۸)

پیر صاحب پھر ص ۲۶ پر ایک سرخی باندھتے ہیں "کمالاتِ مصطفوی کا کھلا اعتراف" اور اس کے تحت لکھتے ہیں:-

"پہلے ہم ان کمالات احمدی کا ذکر کرتے ہیں۔ جو مصنف تحذیر الناس نے اپنی اس تصنیف میں بیان کیے ہیں جن کو اہل سنت تو روزِ اول سے ہی اپنے ایمان کی جان اور اپنے عقیدہ کی روح یقین کرتے ہیں البتہ مولانا کے قائم کیے ہوئے دار العلوم سے اپنے آپ کو منسوب کرنے والے کئی حضرات ان کا انکار کیا کرتے ہیں اور ایسی تمام احادیث و روایات کو بس چلے تو موضوع ورنہ ضعیف اور معلل کہنے سے گریز نہیں کرتے۔

ہم ان کے افادہ کیلئے اور ان کی غلط فہمیاں کو دور کرنے کیلئے تحذیر الناس سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں تاکہ مولانا نانوتوی سے حسن عقیدت کا دعویٰ کرنے والے جمال محمدی کی وادیٔ ایمن میں چمکنے اور دمکنے والے انوار کا مشاہدہ کرنے کے قابل ہو جائیں اس سے باہمی کشمکش بھی ختم ہو جائے گی اور اپنے محبوب ہادی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق خاطر میں وہ پختگی پیدا ہو جائے گی کہ کوئی خطرناک بھونچال بھی اس میں رخنہ نہ ڈال سکے گا۔"

(از ص ۲۶)

ہمارے علم میں منتسبین دیوبند میں کوئی ایسا نہیں جس نے تحذیر الناس کے ان مضامین کا کبھی انکار کیا ہو اور اگر کوئی ایسا فرد نکل بھی آئے تو یہ بات پیر صاحب بھی جانتے ہوں گے کہ ایسے مواقع پر اکابر کی بات کا اعتبار ہوگا یا اصاغر کے اختلاف کا۔ یہ پیر صاحب کی زیادتی ہے کہ وہ اکابر کی بجائے کسی مسلک کا تعارف ان کے اصاغر سے کراتے ہیں۔

پیر صاحب پھر ص ۳۲ پر لکھتے ہیں:-

"مولانا کی اس تالیف کا مطالعہ کرتے ہوئے جب وہ دلائل سامنے آتے ہیں جن سے مولانا نے حضور سرکار دوعالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی عظمت شان اور رفعت مقام کو ثابت کیا ہے تو ہر مومن کا دل فرحت و انبساط سے لبریز ہو جاتا ہے اللہ تعالےٰ ہمیں شان محمدی کو کماحقہ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔ اسی میں ہماری سربلندی ہے اور اسی میں دارین میں ہماری سرخروئی کا راز مضمر ہے۔

علماء دیوبند کی کامیابی کا اقرار

مولانا احمد رضا خاں نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ پر انکارِ ختم نبوت کا بہتان باندھا اور تحذیر الناس کی تین مختلف عبارتوں کو جوڑ کر ایک نئی عبارت بنائی اسمیں کفر کی روح پھونکی اور پھر حضرت نانوتویؒ پر بڑی عطائی سے وہ کفر اُتار دیا علمائے دیوبند پھر حضرت کے دفاع میں سامنے آئے اور کتاب وسنت اور خود حضرت نانوتویؒ کی تصریحات کی روشنی میں حضرت نانوتویؒ کی زیر بحث عبارات کی تشریح کی اس موضوع میں وہ کہاں تک کامیاب ہوئے لے خود پیر کرم شاہ صاحب کے الفاظ میں پڑھئے۔

" علماء دیوبند اپنا زور قلم یہ ثابت کرنے میں صرف نہ کرتے جو کتاب وسنت سے بھی ہم آہنگ ہو اور مولانا نانوتویؒ کے صحیح عقائد کی بھی عکاسی اور ترجمانی کرتا ہو تو معلوم نہیں مرزائی بھیڑیئے کتنے بے شمار سادہ لوح مسلمانوں کو اپنا تر نوالہ بنا لیتے۔ آپ کی اس بے باک تنقید کے باعث مسلمان بیدار ہو گئے اور اسلام کے خلاف مرزائی جو ناپاک سازشیں کر رہے تھے ان میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے۔" (رسالہ ص ۵۲، ص ۵۳)

پیر صاحب نے کیا اس عبارت میں کھلا اقرار نہیں کیا کہ علماء دیوبند اپنی اس محنت میں کامیاب رہے اور یہ کہ حضرت مولانا نانوتویؒ کے عقائد وہی تھے جو کتاب وسنت سے ہم آہنگ تھے اور حضرت نانوتویؒ کا اصل عقیدہ وہی تھا جو جمہور اہلسنت کا ہے اور اس میں قادیانیوں کے لیے تمسک کی کوئی راہ نہ تھی۔

راقم الحروف ۱۹۶۹ء میں نہایت مختصر وقت کے لیے پاکستان آیا۔ مخدوم ملت انفیس رقم جناب انور حسین شاہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ تحذیر الناس کی اس خدمت میں راقم الحروف کا بھی حصہ

ہو جائے مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے بعض احباب نے بھی اس کی ضرورت پر توجہ دلائی۔ سفر کی گوناگوں مصروفیتیں تعمیلِ ارشاد میں حائل رہیں تاہم عنایت باری شاملِ حال ہوئی اور کچھ لکھنے کا موقعہ مل گیا۔ ۱۹۸۶ء میں پھر اس پر نظر ثانی کا موقعہ ملا۔

دوستوں کے اصرار پر یہ چند سطور ہدیۂ قارئین کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں میرے اور جملہ قارئین کے لیے باقیاتِ صالحات بنائے۔ وما ذالک علی اللہ العزیز۔

والسلام

خالد محمود عفا اللہ عنہ

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر (یو۔کے)

و سرپرست تنظیم اہل سنت پاکستان (ملتان)
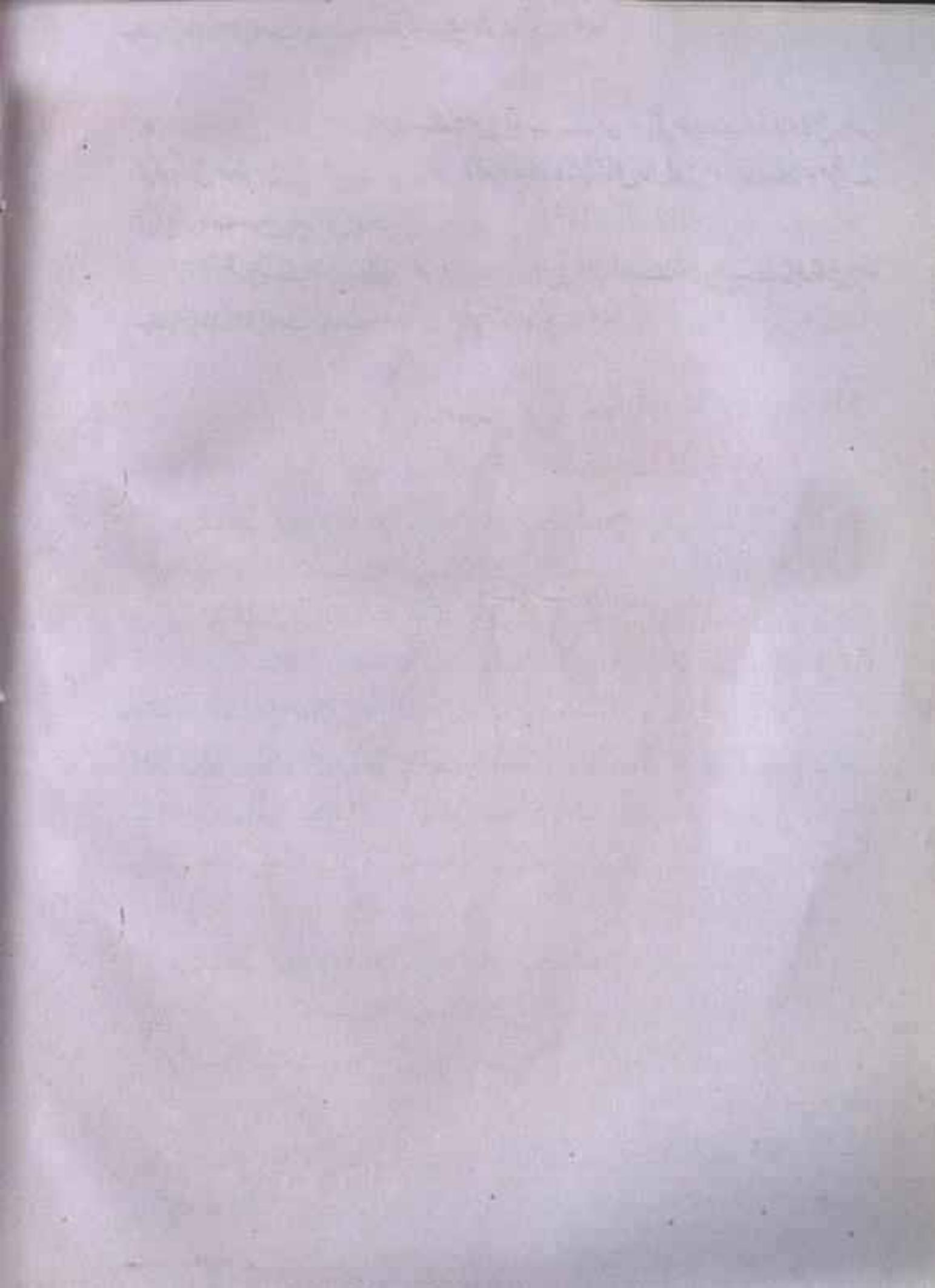
تحذیر الناس

مِن إنکارِ أثر إبن عبّاس رضی اللہ عنہ

تالیف

حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرۃ مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہ

بانیٔ دارالعلوم دیوبند (م ۱۲۹۷ھ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس باب میں کہ زید نے بہ تتبع ایک عالم کے جس کی تصدیق ایک مفتی مسلمین نے بھی کی تھی دربارۂ قول ابن عباسؓ جو در منثور وغیرہ میں ہے۔ ان اللّٰہ خلق سبع ارضین فی کل ارض ادم کادمکم و نوح کنوحکم وابراھیم کابراھیم وعیسٰی کعیساکم ونبی کنبیکم کے یہ عبارت تحریر کی کہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ حدیث مذکور صحیح اور معتبر ہے۔ اور زمین کے طبقات جدا جدا ہیں۔ اور ہر طبقے میں مخلوق الٰہی ہے اور حدیث مذکور سے ہر طبقہ میں انبیاء کا ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن اگرچہ ایک ایک خاتم کا ہونا طبقات باقیہ میں ثابت ہوتا ہے۔ مگر اس کا مثل ہونا ہمارے خاتم النبیین صلعم کے ثابت نہیں۔ اور نہ یہ میرا عقیدہ ہے۔ کہ وہ خاتم مماثل آنحضرت صلعم کے ہوں اس لیے کہ اولاد آدم جس کا ذکر ولقد کرمنا بنی ادم میں ہے۔ اور سب مخلوقات سے افضل ہے وہ اسی طبقہ کے آدم کی اولاد ہے۔ بالاجماع اور ہمارے حضرت صلعم سب اولاد آدم سے افضل ہیں تو بلاشبہ آپ تمام مخلوقات سے افضل ہوئے پس دوسرے طبقات کے خاتم جو مخلوقات میں داخل ہیں۔ آپ کے مماثل کسی طرح نہیں ہوسکتے۔ انتہیٰ اور باوجود اس تحریر کے زید یہ کہتا ہے کہ اگر شرع سے اس کے خلاف ثابت ہوگا تو میں اسی کو مان لوں گا۔ میرا اصرار اس تحریر پر نہیں پس علماء شرع سے استفسار یہ ہے کہ الفاظ حدیث ان معنوں کو محتمل ہیں یا نہیں۔ اور زید بوجہ اس تحریر کے کافر یا فاسق یا خارج اہل سنت وجماعت سے ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ وَسَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

تمہید:۔ بعد حمد و صلوٰۃ کے، قبل عرض جواب یہ گذارش ہے کہ اوّل معنٰی خاتم النبیین[1] معلوم کرنے چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ وقت نہ ہو۔ سو عوام کے خیال[2] میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[3] کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہو گا کہ تقدم یا تأخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں، پھر مقام مدح میں وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر اس وصف کو اوصافِ مدح میں سے نہ کہئے اور اس

---

[1] یعنی آیۂ کریمہ میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمایا گیا ہے۔ اوّل اس کے معنی سمجھنے چاہئیں ۱۲۔

[2] سو عوام کے خیال میں الخ قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ لفظ خاتم النبیین کا معنیٰ عوام تو یہی لیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زمانے کے لحاظ سے سب نبیوں کے بعد تشریف لائے ہیں اور بس۔ لیکن اہل علم و عقل بخوبی جانتے ہیں کہ محض زمانے کے لحاظ سے پیچھے آنا باعث فضیلت نہیں بلکہ کچھ اوصاف و کمالات ہوتے ہیں جو بعد میں آنے والے کو پہلے لوگوں پر فوقیت دیتے ہیں۔ ورنہ محض آخر میں آنا اگر فضیلت کا موجب ہوتا تو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بعد سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں ولی آ گئے ہیں مگر ان کا ہم مرتبہ کوئی نہیں۔ اسی طرح سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد ہزاروں صحابہ کرامؓ نے سرور کائنات علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کی لیکن کوئی صحابی آپ کا ہم پلہ و ہم مرتبہ نہیں۔ یہی نہیں بلکہ اگر زمانے کے لحاظ سے بعد میں آنا ہی فضیلت و برتری کے لیے کافی ہوتا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بعد سرور کائنات سے پہلے کئی انبیاء تشریف لائے لیکن ان میں سے کوئی نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر فضیلت نہیں رکھتا۔ جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے۔

[3] اصل کتاب میں "صلعم" لکھا ہوا ہے ہم نے مکمل الفاظ میں لکھا ہے۔ ۱۲

مقام کو مقام مدح قرار نہ دیجئے تو البتہ خاتمیت باعتبار تاخر زمانی صحیح ہو سکتی ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اہلِ اسلام میں سے کسی کو یہ بات گوارا نہ ہوگی کہ اس میں ایک تو خدا کی جانب نعوذ باللہ زیادہ گوئی کا وہم ہے۔ آخر اس وصف میں اور قدو قامت و شکل ورنگ و حسب و نسب و سکونت وغیرہ اوصاف میں جن کو نبوت یا اور فضائل میں کچھ دخل نہیں، کیا فرق ہے جو اس کو ذکر کیا، اوروں کو ذکر نہ کیا۔ دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نقصان قدر کا احتمال کیونکہ اہلِ کمال کے کمالات ذکر کیا کرتے ہیں اور ایسے ویسے لوگوں کے اس قسم کے احوال بیان کیا کرتے ہیں۔ اعتبار نہ ہو تو تاریخوں کو دیکھ لیجئے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

باقی یہ احتمال کہ یہ دین آخری دین تھا، اس لیے سدِ باب اتباعِ مدعیانِ نبوت کیا ہے جو کل کو جھوٹے دعوے کر کے خلائق کو گمراہ کریں گے البتہ فی حد ذاتہٖ قابلِ لحاظ ہے۔ پر جملہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ اور جملہ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ میں کیا تناسب تھا جو ایک کو دوسرے پر عطف کیا اور ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو استدراک قرار دیا۔ اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی بے ربطی و بے ارتباطی خدا کے کلام معجز نظام میں متصور نہیں۔ اگر سدِ باب مذکور منظور ہی تھا تو اس کے لیے اور بیسیوں موقع تھے۔

بنارِ خاتمیت کی تعیین

بلکہ بنارِ خاتمیت[1] اور بات پر ہے جس سے تاخرِ زمانی اور سدِ باب مذکور خود بخود لازم آجاتا ہے اور فضیلتِ نبوی دوبالا ہو جاتی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات

---

[1] بنائے خاتمیت آپ کی ایسی وصف کمال پر ہے جس سے آپ کا سب انبیاء کے بعد آنا بھی ثابت ہو جائے گا اور مدعیان نبوت کاذب کے لیے بھی سدباب ہو جائے گا۔ خاتمیت کا دارومدار آپ کے مرتبہ پر ہے کہ آپ کو نبوت براہ راست بلا واسطہ اللہ تعالٰے سے حاصل ہے اور آپ کی نبوت ذاتی ہے باقی انبیاء کو نبوت آپ کے واسطے اور فیضان سے اللہ تعالٰے کی طرف سے ملی ہے۔ لہٰذا دو "

(باقی صفحہ ۴۴ پر)

پر ختم ہوجاتا ہے۔ جیسے موصوف بالعرض کا وصف موصوف بالذات سے مکتسب ہوتا ہے۔ موصوف بالذات کا وصف جس کا ذاتی ہونا اور غیر مکتسب من الغیر ہونا لفظ بالذات ہی سے مفہوم ہے، کسی غیر سے مکتسب اور مستعار نہیں ہوتا۔ مثال درکار ہے تو لیجئے۔ زمین و کہسار اور در و دیوار کا نور اگر آفتاب کا فیض ہے تو آفتاب کا نور کسی اور کا فیض نہیں۔ اور ہماری غرض وصف ذاتی ہونے سے اتنی ہی تھی۔ بایں ہمہ یہ وصف اگر آفتاب کا ذاتی نہیں تو جس کا تم کہو، وہی موصوف بالذات ہوگا، اور اس کا نور ذاتی ہوگا، کسی اور سے مکتسب اور کسی اور کا فیض نہ ہوگا۔ الغرض یہ بات بدیہی ہے کہ موصوف بالذات سے آگے سلسلہ ختم ہوجاتا ہے۔ چنانچہ خدا کے لیے کسی اور خدا کے نہ ہونے کی وجہ اگر ہے تو یہی ہے۔ یعنی ممکنات کا وجود اور کمالات وجود سب عرضی بمعنیٰ بالعرض ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ کبھی موجود کبھی معدوم کبھی صاحب کمال کبھی بے کمال بنتے ہیں۔ اگر یہ امور مذکورہ ممکنات کے حق میں ذاتی ہوتے تو یہ انفصال و اتصال نہ ہوا کرتا۔ علی الدوام وجود اور کمالاتِ وجود ذات ممکنات کو لازم ملازم رہتے۔

بقیہ حاشیہ :- انبیاء کی نبوت عرضی ہے۔ اس ذاتی نبوت اور عرضی نبوت کو قاسم العلوم والخیرات حضرت نانوتویؒ بالتفصیل اور بادلائل ثابت کریں گے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نبی الانبیاء، اور امام الانبیاء ہیں۔ اس پر صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک ساری امت کا اجماع ہے اور یہی اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی نبوت ذاتی ہے۔ جب کہ باقی انبیاءؑ کی نبوت عرضی ہے۔ کیونکہ اگر باقی انبیاء کو بھی نبوت بلاواسطہ اور براہ راست اللہ تعالیٰ جل شانہٗ سے ملے، تو پھر ان کا تعلق آپ کے ساتھ کیا باقی رہ جاتا ہے۔ اور آپ نبی الانبیاء کیسے اور کن معنی میں ہوئے۔ گویا آپ کو امام الانبیاء اور نبی الانبیاء کہنا محض خوش فہمی اور فرط عقیدت پر مبنی ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ جیسا کہ کتاب و سنت اس پر شاہد ہیں۔

آپ کی نبوت ذاتی ہے

سوانحی طور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کو تصور فرمایئے یعنی آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں، اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض۔ اوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے، پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں، آپ پر سلسلۂ نبوت مختتم ہو جاتا ہے۔ غرض آپ جیسے نبی الامت ہیں ایسے ہی نبی الانبیاء بھی ہیں۔

نبوتِ ذاتی کی پہلی دلیل

اور یہی وجہ ہوئی کہ بہ شہادت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ الخ اور انبیاء کرام علیہم السلام سے آپ پر ایمان لانے اور آپ کے اتباع اور اقتدا کا عہد لیا۔ ادھر آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر حضرت موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو میرا ہی اتباع کرتے۔ علاوہ بریں بعد نزول حضرت عیسیٰ کا آپ کی شریعت پر عمل کرنا اسی بات پر مبنی ہے۔

نبوت ذاتی کی دوسری دلیل

اودھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد علمت علم الاولین والاخرین بشرط فہم اسی جانب مشیر ہے۔

۱؎ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ وصف کمال جس کی وجہ سے آپ سب نبیوں سے افضل ہیں۔ آپ کی نبوت ذاتی ہے۔ یعنی براہ راست آپ کو خداوند کریم سے نبوت ملی اور آپ کے درمیان اور کوئی واسطہ نہیں۔ جیسے سورج کی روشنی ذاتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ سے براہ راست اور بغیر کسی واسطہ کے اُسے روشنی حاصل ہے۔ باقی انبیاء کی نبوت عرضی ہے۔ انہیں نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ملی ہے۔ جیسے زمین کا روشن ہونا عرضی ہے کہ اُسے اللہ تعالیٰ جل شانہ سے روشنی سورج کے واسطے ملی ہے۔ ۱۲۰

شرحِ لطیف معمہّ کی یہ ہے کہ اس ارشاد سے ہر خاص و عام کو یہ بات واضح ہے کہ
علومِ اوّلین مثلاً اور ہیں ــــــــــــ اور علوم آخرین اور، لیکن وہ سب علوم
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مجتمع ہیں۔ سو جیسے علمِ سمع اور ہے اور علمِ بصر اور، پر یہ باہم
ہمہ قوتِ عاقلہ اور نفسِ ناطقہ میں یہ سب علوم مجتمع ہیں۔ ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم اور انبیاء باقی کو سمجھئے۔ پر ظاہر ہے کہ سمع و بصر اگر مدرک و عالم ہیں تو بالعرض ہیں ورنہ مدرک

لہ آپ کی نبوت ذاتی اور باقی انبیاء کی نبوت عرضی کیوں؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ نبوت کمال
علمی ہے۔ جتنا علم کامل ہوگا اتنی نبوت کامل ہوگی، اور جس قدر علم میں کمی ہوگی، اُسی قدر نبوت کے
کمال میں کمی آئے گی۔ اور نبوتِ کاملہ سے کم درجہ کی نبوت ہوگی۔ نبوت میں فرقِ مراتب پر آیت
تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ شاہد ہے۔

اب چونکہ علم اوّلین و آخرین آپ کو عطا ہوئے ہیں۔ اس میں تمام کائنات میں سے کوئی بھی
آپ کا ہمسر و ہم پلہ نہیں۔ جب آپ کا علم سب سے کامل ہے تو آپ کی نبوت بھی سب سے کامل ہے، اور
نبوت میں بھی کوئی آپ کا ہم مرتبہ نہیں ہوگا۔

علومِ اوّلین و آخرین آپ میں کیسے جمع ہو گئے۔ اس کے لیے قاسم العلوم والخیرات حضرت
نانوتویؒ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ جیسے ایک انسان کو کسی چیز کا علم آنکھوں سے حاصل ہوتا ہے
اور کوئی علم کانوں کے ذریعے۔ بعض چیزوں کا علم اُسے قوتِ شامہ سے میسّر آتا ہے اور بعض
علم قوتِ ذائقہ سے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ مگر یہ سب علوم اُس ایک انسان کی ایک دماغی قوت میں
جمع ہو جاتے ہیں۔ جیسے قوتِ عاقلہ یا عقل کا نام دیا جاتا ہے۔ اسی طرح تمام اوّلین و آخرین
کے علوم اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات میں جمع کر دیے
ہیں۔ نبی میں دو قوتیں پائی جاتی ہیں۔ قوۃ علمی اور قوتِ عملی۔ نبی کی قوتِ علمی کا مظہر صدیق کہلاتا ہے
اور قوتِ عملی کا مظہر شہید۔ نبی کی شانِ امتیازی قوۃ علمی ہے کہ نبی کا علم تمام دوسرے لوگوں سے زیادہ
ہوتا ہے اور کوئی اُس کا ہم پلہ نہیں ہوتا۔ رہی قوۃ عملی، تو بعض اوقات غیر نبی کا عمل مقدار و

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۶ پر)

حقیقی اور عالم تحقیقی وہ عقل اور نفس ناطقہ ہی ہے۔ اسی طرح سے عالم حقیقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور انبیاء، باقی اور اولیاء، اور علماء، گذشتہ و مستقبل اگر عالم ہیں تو بالعرض ہیں۔

بقیہ حاشیہ:۔ کمیت میں زیادہ ہوتا ہے لیکن کیفیت میں نبی کے عمل کو نہیں پہنچ سکتا۔ مثلاً سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرضی حج کیا۔ اب مکہ مکرمہ میں رہنے والا مسلمان اگر ہر سال حج ادا کرتا ہے تو تعداد میں اس کا عمل زیادہ ہے، اگرچہ اس کے سارے حج آپ کے اس ایک حج کے مقابلے میں کوئی نسبت نہیں رکھتے۔ اسی طرح آپ نے مکی زندگی میں کچھ عرصہ اور مدنی زندگی کے دس سال نمازیں ادا کیں، اور آپ کا ایک امتی بلوغت کے بعد چالیس پچاس سال یا اس سے زیادہ عرصہ نماز باجماعت ادا کرتا ہے، تو اس کے عمل کو عددی برتری حاصل ہے گو اس کی تمام نمازیں آپ کی ایک نماز سے کم تر مرتبہ رکھتی ہیں۔ اسی طرح دوسری عبادات۔ اگرچہ امتی کا عمل مقدار اور تعداد میں زیادہ ہو سکتا ہے مگر نبی کے ہم مرتبہ و ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔ اور کوئی بھی صاحب ایمان اس کا قائل نہیں چہ جائیکہ حضرت قاسم العلوم والخیرات جیسے محب صادق اور پروانۂ شمع نبوت۔ اسی لیے آپ نے فرمایا۔ بظاہر امتی عمل میں بڑھا ہوا نظر آتا ہے لیکن درحقیقت اس کا عمل نبی کے عمل کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ متعصب اور کم فہم لوگ "بظاہر" اور "درحقیقت" میں فرق کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ اپنی جہالت پر پردہ ڈالنے کے لیے حضرت والا کی عبارت پر بے بنیاد اعتراضات کرتے ہیں ورنہ معمولی سمجھ کا مالک بھی جانتا ہے کہ ایک امتی کے ہزاروں روزے اور نمازیں آپ کی ایک نماز اور روزے کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا جتنا علم ہے اتنا کسی دوسرے انسان کے لیے ممکن ہی نہیں اور عظمت و تعظیم کا دارومدار علم پر ہے۔ ایک شخص کے سامنے اگر وزیر اعظم یا کوئی بڑے سے بڑا افسر کھڑا ہو لیکن اس شخص کو اس کے مقام و مرتبہ کا علم نہ ہو۔ تو وہ بیباک گفتگو کرے گا۔ جب اُسے اُس کی حیثیت اور وصف کا پتہ ہو، تو وہ بات کرتے میں بھی ہچکچاہٹ اور گھبراہٹ محسوس کرتا ہے۔ ظاہر ہے یہ فرق اُسے محض علم کی وجہ سے آیا۔ پہلے اور کیفیت تھی، جب مخاطب کی حیثیت کا علم ہوا تو کیفیت بدل گئی۔ سو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی صفات

(باقی حاشیہ ص۴۷ پر)

نبوت کمالاتِ علمیہ میں سے ہے

مگر اس کے ساتھ یہ بھی اہلِ فہم جانتے ہیں کہ نبوت کمالاتِ علمی میں سے ہے، کمالاتِ عملی میں سے نہیں ہے۔

الغرض کمالاتِ ذوی العقول کل دو کمالوں میں منحصر ہے۔ ایک کمال علمی اور دوسرا کمالِ عملی۔ اور بنائے مدح کُل انہی دو باتوں پر ہے۔ چنانچہ کلام اللہ میں چار فرقوں کی تعریف کرتے ہیں۔ نبیین اور صدیقین اور شہداء اور صالحین۔ جن میں سے انبیاء اور صدیقین کا کمال تو کمالِ علمی ہے، اور شہداء اور صالحین کا کمال، کمالِ عملی ہے۔ انبیاء کو تو منبع العلوم اور فاعل، اور صدیقین کو مجمع العلوم اور قابل سمجھے، اور شہداء کو منبع العمل اور فاعل اور صالحین کو مجمع العمل اور قابل خیال فرمائیے۔

<u>پہلی دلیل</u>:۔ دلیل اس دعوے کی یہ ہے کہ انبیاء اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ باقی رہا عمل، اس میں بسا اوقات بظاہر اُمتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں اور اگر قوتِ عملی اور ہمت میں انبیاءؑ، اُمتیوں سے زیادہ بھی ہوں تو یہ معنی ہوئے کہ مقامِ شہادت اور وصفِ شہادت بھی اُن کو حاصل ہے مگر کوئی ملقب ہوتا ہے تو اپنے اوصافِ غالبہ کے ساتھ ملقب ہوتا ہے۔ مرزا جانِ جاناںؒ صاحبؒ اور شاہ غلام علیؒ صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ، چاروں صاحب جامع بین الفقر والعلم تھے۔ پر مرزا صاحبؒ اور شاہ غلام علی صاحبؒ تو فقیری میں مشہور ہوئے، اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ علم میں۔ وجہ اس کی یہ ہوئی کہ اُن کے علم پر ان کی فقیری غالب تھی اور ان کی فقیری پر ان کا علم۔ اگرچہ ان کے علم سے اُن کا علم ان کی فقیری سے انکی فقیری کم نہ ہو سو انبیاء میں

(بقیہ حاشیہ)۔ کا علم سب سے زیادہ ہے تو تعظیم بھی سب سے زیادہ ہوگی۔ دوسرا کوئی بھی جب آپ جتنا علم نہیں رکھتا تو یقیناً آپ جتنی اللہ تعالیٰ کی تعظیم بھی نہیں کر سکتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام قوتِ عملی میں بھی کسی سے کم نہیں ہوتے، پر نبوت کا دارومدار قوتِ عملی پر نہیں بلکہ قوتِ علمی پر ہے ۱۲۔

علم عمل سے غالب ہوتا ہے۔ اگرچہ اُن کا عمل اور ہمت اور قوت اوروں کے عمل، قوت اور ہمت سے غالب ہو، بہر حال علم میں انبیاءؑ اوروں سے ممتاز ہوتے ہیں اور مصداقِ نبوت وہ کمال علمی ہی ہے۔ جیسا کہ مصداقِ صدیقیت بھی وہ کمالِ علمی ہے۔

دوسری دلیل:۔ چنانچہ لفظ نَبَأٌ اور صَدَقَ بھی جو ماخذ اوصاف مذکورۂ ہے، اس بات پر شاہد ہے۔ نَبَأٌ خود خبر کو کہتے ہیں۔ جو اقسامِ علوم یا معلوم میں سے ہے، اور صَدَقَ اوصافِ علم میں سے۔ پر نبوت اور صدیقیت میں وہی فرق فاعلیت و قابلیت ہے جو آفتاب و آئینہ میں وقتِ تقابل معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ حدیث مرفوع قولی جس کا یہ مطلب ہے کہ جو میرے سینہ میں خدا نے ڈالا تھا، میں نے ابوبکرؓ کے سینہ میں ڈال دیا، اس پر شاہد ہے۔ مگر جیسے نبی کو نبی اس لیے کہتے ہیں کہ خبردار یا خبردار کرنے والا ہوتا ہے۔ صدیق کو صدیق اس لیے کہتے ہیں کہ اُس کی عقل بجز قولِ صادق قبول نہیں کرتی۔ قولِ صادق بے دلیل اس طرح قبول کر لیتا ہے جیسے مٹھائی کو معدہ، اور قولِ باطل سے اس طرح گھبراتا ہے اور اس طرح اس کو رد کرتا ہے جیسے مکھی کو معدہ رد کرتا ہے۔ یہی سبب تھا کہ صدیق اکبرؓ کو ایمان لانے میں معجزہ کی ضرورت نہ ہوئی۔

شہادت عملی کمال ہے

علیٰ ہٰذا القیاس مصداق شہید بہ دلالتِ حدیث وہ شخص ہے جو اعلاءِ کلمۃ اللہ اور ترقی دین کے لیے جان دینے کو تیار ہو۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کسی نے پوچھا کہ بعض آدمی طمعِ مال میں لڑتے ہیں اور بعضے بوجہ عصبیت یعنی بوجہ قرابت و حمیت قومی اور بعض بغرض ناموری، ان میں سے شہید کون ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا۔ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا۔ غرض شہادت اس صورت میں عوارض ہمت اور قوتِ عملی میں سے ہوئی۔ اور شہید اوّل درجہ کا آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر ہوا۔ اسی وجہ سے شاید شہید کو شہید کہتے ہیں یعنی بروز قیامت وہ شاہد ہوگا کہ فلاں شخص حکم خدا مان گیا تھا اور فلانے نے نہیں مانا کیونکہ اس بات کی اطلاع جیسے آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر کو ہو سکتی ہے

اتنی اوروں کو نہیں ہو سکتی۔ اور اس کی گواہی اس باب میں ایسی سمجھئے جیسے کسی مقدمہ میں ملازمانِ سرکاری کی گواہی۔ چنانچہ اس اُمّت کے حق میں یہ فرمانا کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور ادھر یہ ارشاد وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ غور کیجئے تو اسی جانب مشیر ہے۔ غرض شہید سے فیض عمل ہوتا ہے یعنی بھلے عمل اوروں سے کراتا ہے اور برے عملوں سے روکتا ہے۔ سو جو شخص اس سے مستفیض ہو وہ صالح ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اہتمام اعمال کے باب میں وہی کر سکتا ہے جو خود اعمال میں پکا ہو۔ سو بوسیلہ امر و نہی ہو یا بوسیلہ صحبت، جس شخص کو افاضۂ اعمال منظور ہو تو وہ شہید ہے اور جو اس سے مستفیض ہو وہ صالح۔

تیسری دلیل :- جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو خود معلوم ہو گیا ہو گا کہ جب نبوت کمالِ علمی میں سے ہوئی اور دربارۂ علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موصوف بالذات ہوئے تو دربارۂ نبوت بھی آپ موصوف بالذات ہوں گے اور آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَا

لہ نبوت کمالاتِ علمی میں سے ہے۔ حضرت نانوتوی اس پر دلائل پیش کرتے ہیں۔ دلیل نمبر ۱ :- ما علوم کے لیے ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو جتنی کتابیں دی گئیں ان سب کی تصدیق آپ کرتے ہیں اور یہ اسی وجہ سے ہے کہ آپ ان کتابوں کا علم رکھتے ہیں ورنہ بغیر جانے کے کسی چیز کی تصدیق کے کیا معنی؟ دلیل نمبر ۲ :- اُوْتِیْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ میں اولین و آخرین سب کا علم عطا کیا گیا ہوں، جو انہیں علوم دیئے گئے تھے وہ سب مجھے دیئے گئے ہیں۔
دلیل نمبر ۳ :- لفظ رَسُوْلٌ۔ دلیل نمبر ۴ :- حدیث شریف كُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی نبوت قدیم اور باقی نبوتیں حادث ہیں، اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ آپ کی نبوت ذاتی ہو، اور باقی انبیاء کی عرضی، ورنہ اتحادِ نوعی کے ہوتے ہوئے قِدم و حدوث میں فرق کا کیا مطلب؟ دلیل نمبر ۵ :- صوفیاء کرام کا یہ ارشاد روحِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مُربّی اللہ تعالیٰ کا وصف علم ہے۔ طبیب کی تربیت جب طبیب بنا دیتی ہے تو وصف علم باری سے تربیت پانے والا عالم کامل کیوں نہ ہو۔

اٰتَیْتُکُمْ الخ میں جو لفظ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ ہے تو اس سے بعد لحاظ اس بات کے یہ خطاب تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو ہے اور کلمہ مَا اس جگہ ایسا عام ہے کہ تمام علوم اور کتب کو شامل۔ یہ بات اور بھی موجہ ہو جاتی ہے کہ نبوت کمالات علمی میں سے ہے اور آپ جامع العلوم ہیں اور انبیاء باقی جامع نہیں۔

غرض جو بات حدیث علمت علم الاوّلین سے ثابت ہوئی تھی مع شئی زائد آیۃ مذکورہ سے ثابت ہے سو ایک تو یہی بات زائد ہے کہ نبوت کا کمال علمی میں سے ہونا اس سے ظاہر ہے کیونکہ رسول کی صفت میں یہ فرمانا کہ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ جو لاجرم منجملہ کمالات علمی ہے کیونکہ تصدیق علم ہی سے متصور ہے، اس جانب مشیر ہے کہ اس رسول کا علم ایسا عام ہوگا۔ پھر بایں ہمہ لفظ رسول بایں نظر کہ زبان عربی میں پیغامبر کو کہتے ہیں اور پیغام منجملہ اوامر و نواہی ہوتا ہے، جو بے شک از قسم علوم ہے اس پر دال ہے اور عہد کا لینا جس سے آپ کا نبی الانبیاء ہونا ثابت ہوتا ہے، پہلے ہی معروض ہو چکا۔

نبوتِ ذاتی کی تیسری دلیل

علاوہ بریں حدیث کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ بھی اسی جانب مشیر ہے کیونکہ فرقِ قدمِ نبوت اور حدوثِ نبوت باوجود اتحادِ نوعی خوب جب ہی چسپاں ہو سکتا ہے کہ ایک جا یہ وصف ذاتی ہو اور دوسری جا عرضی اور فرق قدم و حدوث اور دوام و عروض فہم ہو تو اس حدیث سے ظاہر ہے۔ ہر کوئی سمجھتا ہے کہ اگر نبوت کا ایسا قدیم ہونا کچھ آپ ہی کے ساتھ مخصوص نہ ہوتا، تو آپ مقام اختصاص میں یوں نہ فرماتے۔

دلیل ۴۔ علاوہ بریں حضرات صوفیۂ کرام کی یہ تحقیق کہ مُربّی رُوحِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تعین اوّل یعنی صفت علم ہے اور بھی اس کے موید۔ ظاہر ہے کہ شاعر کی تربیت سے شعر آئے گا اور طبیب کی تربیت سے فنِ طب، محدّث کی تربیت دربارہ حدیث مفید ہوگی۔ فقیہ کی دربارۂ فقہ۔ سو جس کی مُربّی صفت العلم ہو جو علم مطلق ہے۔ مثل البصار و اسماع علمِ خاص و قسم خاص نہیں تو لاجرم فرد تربیت یافتہ یعنی ذاتِ پاک محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بھی علمِ مطلق

میں صاحب کمال ہو گی۔ اور ظاہر ہے کہ مطلق میں تمام حصص خاصہ جو مقیدات میں ہوتی ہیں۔ مندرج ہوتے ہیں، سو یہ بعینہٖ مضمون عُلِّمتُ علم الاوّلین الخ ہے۔

دلیل:۔ اور یہی وجہ ہوئی کہ معجزہ خاص جو ہر نبی کو مثل پروانۂ تقرری بطور سندِ نبوت ملتا ہے اور بنظر ضرورت ہر وقت قبضہ میں رہتا ہے اشمل عنایاتِ خاصہ گہ و بیگاہ کا قبضہ نہیں ہوتا۔ ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن ملا جو تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ ہے تاکہ معلوم ہو کہ آپ اس فن میں یکتا ہیں کیونکہ ہر شخص کا اعجاز اسی فن میں متصور ہے جس فن میں اور اس کے شریک نہ ہوں اور وہ اس میں یکتا ہو۔ مثلاً خوش نویس کے سامنے اگر اور عاجز ہوتے ہیں تو اچھے خوش قطعہ کے لکھنے ہی میں عاجز ہوتے ہیں، اور فنون میں عاجز نہیں سمجھے جاتے۔

نتیجہ:۔ بالجملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصفِ نبوت میں موصوف بالذات ہیں، اور

---

[۱] ہر نبی کو ایک مخصوص معجزہ عطا ہوتا ہے جو ہمہ وقت اس کے پاس موجود رہتا ہے۔ یہ مخصوص معجزہ نبی کی شان اور اس کے زمانے کے حالات و ماحول کے مطابق ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا اور عصا کا اژدھا بننا وغیرہ معجزات اسی بنا پر دیئے گئے تھے کہ اُس زمانے میں جادو کا چرچا عام تھا، تاکہ آپ اس پر غالب آسکیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردے زندہ کرنے اور لاعلاج امراض کو دور کرنے، مادرزاد اندھوں کو بینا کرنا ایسے معجزات اسی لیے دیئے گئے تھے کہ اس دور میں علم طب اپنے عروج پر تھا، تاکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس پر غالب آسکیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید کا معجزہ عطا کیا گیا، جو علم کے قبیلہ سے ہے، تاکہ آپ کا علمی کمال ساری دنیا پر واضح ہو سکے۔ ۱۲۔

[۲] جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ آپ کی نبوت ذاتی ہے اور باقی نبوتیں آپ کی نبوت کا فیضان ہیں تو ایسی نبوت والے نبی کو سب نبیوں کے بعد آنا ضروری ہے کیونکہ ایسی اعلیٰ اور ارفع نبوت اگر تمام نبیوں سے پہلے آئے یا درمیان میں، تو آپ کے بعد آنے والے انبیائے کرام علیہم السلام کو علوم عطا ہوں گے یا نہ۔ اگر نہ عطا ہوں تو وہ نبی ہی نہیں۔ اگر علوم عطا ہوں تو وہ قرآنی علوم کے خلاف ہوں گے یا موافق۔ اگر مخالف ہوں تو قرآن تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ نہ ہوا۔ اور اگر موافق ہوں تو چونکہ کل

(باقی حاشیہ ص ۵۲)

سوا آپ کے اور انبیاء موصوف بالعرض۔

ختم نبوت ذاتی اور ختم نبوت زمانی میں تلازم

اس صورت میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اول یا اوسط میں رکھیئے تو انبیاء متاخرین کا دین اگر مخالف دینِ محمدی ہوتا تو اعلے کا ادنے سے منسوخ ہونا لازم آتا۔ حالانکہ خود فرماتے ہیں مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا اور کیوں نہ ہو۔ یوں نہ ہو تو اعطاء دین منجملہ رحمت نہ رہے، آثار غضب میں سے ہو جاوے۔ ہاں اگر یہ بات متصور ہوتی کہ اعلیٰ درجہ کے علماء کے علوم ادنیٰ درجہ کے علماء کے علوم سے کم تر اور اَدْوَن ہوتے ہیں تو مضائقہ بھی نہ تھا، پر سب جانتے ہیں کہ کسی عالم کا عالی مرتبہ ہونا مراتب علوم پر موقوف ہے۔ یہ نہیں تو وہ بھی نہیں۔ اور انبیاء متاخرین کا دین اگر مخالف نہ ہوتا تو یہ بات ضرور ہے کہ انبیاء متاخرین پر وحی آتی اور افاضہ علوم کیا جاتا۔ ورنہ نبوت کے پھر کیا معنی سو اس صورت میں اگر وہی علوم محمدی ہوتے تو بعد وعدہ محکم اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کے جو بہ نسبت اس کتاب کے جس کو قرآن کہیئے اور بشہادت آیۃ وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ جامع العلوم ہے کیا ضرورت تھی۔ اور اگر علوم انبیاء متاخرین علوم محمدی کے علاوہ ہوتے تو اس کتاب کا تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ ہونا غلط ہو جاتا۔ بالجملہ جیسے ایسے نبی جامع العلوم کے لیے ایسی ہی کتاب جامع چاہیئے

بقیہ حاشیہ:- علوم قرآنی تو صرف آپ کے ساتھ مختص ہیں لہٰذا اُسے کچھ علوم ملیں گے اور یقیناً اس نبی کا درجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کم ہوگا تو لازم آئے گا اعلے کا ادنے سے منسوخ ہونا۔ جو از روئے قرآن درست نہیں۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا۔ پس یہ لازم ٹھہرا کہ ایسا نبی تمام نبیوں کے بعد مبعوث ہو۔ خاتم النبیین کے معانی یہ ہوئے پہلا معنی یہ کہ بلندی رتبہ میں سب سے بلند اور آخری رتبہ پانے والے۔ دوسرا معنی یہ کہ مرتبہ میں سب نبیوں سے آخری مرتبہ والے اور زمانہ کے لحاظ سے آخر میں آنے والے۔ ۱۲

تھی تاکہ علوِ مراتبِ نبوت جو لاجرم علوِ مراتبِ علمی ہے چنانچہ معروض ہو چکا، میسر آئے ورنہ یہ علوِ مراتبِ نبوت بیشک ایک قولِ دروغ اور حکایتِ غلط ہوتی، ایسے ہی ختمِ نبوت بمعنی معروض کو تاخرِ زمانی لازم ہے۔ چنانچہ اضافت الی النبیین بایں اعتبار کہ نبوت منجملہ اقسام مراتب ہے یہی ہے کہ اس مفہوم کا مضاف الیہ وصف نبوت ہے زمانہ نبوت نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ درصورت ارادۂ تاخرِ زمانی مضاف الیہ حقیقی زمانہ ہوگا اور امرِ زمانی اعنی نبوت بالعرض۔ ہاں اگر بطورِ اطلاق یا عمومِ مجاز اس خاتمیت کو زمانی اور مرتبہ سے عام لے لیجئے تو پھر دونوں طرح کا ختم مراد ہوگا۔ پر ایک مراد ہو تو شایانِ شانِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم خاتمیتِ مرتبی ہے نہ زمانی۔

تقدم و تاخر کے اقسام

اور مجھ سے پوچھے تو میرے خیالِ ناقص میں تو وہ بات ہے، کہ سامع منصف انشاء اللہ انکار ہی نہ کر سکے۔ سو وہ یہ ہے کہ تقدم [1] تاخر یا زمانی ہوگا یا مکانی یا مرتبی۔ یہ تین نوعیں ہیں۔ باقی مفہوم تقدم و تاخر ان تینوں کے

---

[1] تقدم تاخر ایک جامع لفظ ہے جس کے تحت تقدم تاخر مرتبی، مکانی اور زمانی سب آجاتے ہیں۔ تقدم کا معنی پہلے اور تاخر کا معنی پیچھے۔ آگے پیچھے ایک وسیع لفظ ہے جس کی وسعت کو منطقی اصطلاح میں "جنس" کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے تین قسم ہو سکتے ہیں۔

(۱) آگے پیچھے مرتبہ کے لحاظ سے جیسے فوج کا سپاہی اور کمانڈر انچیف۔ سپاہی کا مرتبہ پہلا یعنی سب سے نچلا اور کمانڈر انچیف کا مرتبہ آخری یعنی سب سے اونچا۔

(۲) آگے پیچھے زمانہ کے لحاظ سے، جیسے حضرت آدم علیہ السلام اور ہم۔ حضرت آدمؑ پہلے ہیں یعنی اُن کا زمانہ پہلے ہے اور ہم آخری ہیں یعنی ہمارا زمانہ پیچھے ہے۔

ان دونوں درجوں کے تعین میں نیچے سے اُوپر کی طرف جاؤ گے۔

(۳) تقدم تاخر مکانی۔ اس کے تعین کے لیے کوئی قرینہ چاہیئے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں قبلہ کی طرف پہلے کھڑی صف کو پہلی یا اگلی کہتے ہیں اور سب سے پچھلی صف کو آخری کہتے ہیں۔ لیکن اگر اس کا عکس کیا جائے کہ آخری صف سے گنتی شروع کی جائے تو وہ پہلی اور قبلہ کی جانب والی صف آخری کہلائے گی۔

حق میں جنس۔ اور ظاہر ہے کہ مثل چشم و چشمہ و ذات وغیرہ معانی لفظ عین ان تینوں میں یوں بعید نہیں جو مثل لفظ عین لفظ تقدم و تاخر اختتام کو جو تاخیر کے آثار میں سے ہے بہ نسبت انواع مذکورہ مشترک کہئے، جنس نہ کہئے، مگر ان میں سے اول و آخر زمانی و رتبی تو مشخص ہوتا ہے یعنی اول آخر اور آخر اول نہیں ہو سکتا۔ البتہ تقدم و تاخر مکانی کے لیے کسی مصحح کی ضرورت پڑتی ہے جس سے اول و آخر معلوم ہو جائے جیسے صفوف مسجد کے لیے قبلہ اور دیوار قبلہ۔ ورنہ یہاں دوسری طرح سے لیجئے، تو قضیہ منعکس ہو جائے گا۔

انبیاء علیہم السلام میں متقدم اور متاخر کی تعیین

جب[1] یہ بات معلوم ہو گئی تو اب سنئے۔ ذوات انبیاء علیہم السلام تو بذاتِ خود اس قابل ہی نہیں کہ اُن میں تقدم تاخر کی گنجائش ملے۔ ہاں بواسطہ زمان و مکان و مراتب البتہ مقدم و مؤخر کہہ سکتے ہیں۔ بہرحال حذفِ مضاف کی ضرورت ہوگی۔ سو لفظ زمان کی جا پر اگر بوصوف تاخر بھی کوئی مفہوم عام ہی تجویز کیا جائے تو بہتر ہے بلکہ ضرور ہے کیونکہ حذف بے قرینہ دال علی المحذوف الخاص دلائل تعمیم میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے لِلّٰہِ الْاَمْرُ

---

[1] منصب نبوت میں سب انبیاء برابر ہیں، جیسے سرکاری ملازم، ملازم ہونے میں چھوٹے بڑے، افسر و کارکن سب برابر ہیں۔ اس منصب کے بعد فرق لگتا ہے مرتبہ کے اعتبار سے کسی کا مرتبہ کم اور کسی کا زیادہ یا زمانہ کے لحاظ سے فرق پڑتا ہے کسی کا زمانہ پہلے اور کسی کا بعد میں یا مکان کی رو سے تقدم و تاخر آتا ہے، کوئی جگہ کے اعتبار سے آگے اور کوئی پیچھے۔

اب آیت "خاتم النبیین" کا معنی کرتے وقت کوئی لفظ تو ضرور مقدر ماننا پڑے گا، چاہے مرتبہ ہو یا زمان یا مکان۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرتبہ کے لحاظ سے آخری مرتبہ میں ہیں یا زمانہ کے لحاظ سے آخری زمانہ میں ہیں یا مکان کے لحاظ سے آخری جگہ میں ہیں۔ مگر ان خاص الفاظ کی بجائے اگر عام لفظ مقدر مانو جس کے تحت یہ تینوں آ جائیں کیونکہ علم نحو کا مشہور معروف قانون ہے کہ جہاں تخصیص کا قرینہ نہ ہو وہاں تعمیم مراد ہوتی ہے جیسے للہ الامر میں امر کل شیء اور اللہ اکبر میں من کل شیء مقدر نکالا جاتا ہے۔

مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ اور اللّٰہُ اکبر میں کُلُّ شَیْءٍ یا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ محذوف سمجھا جاتا ہے۔ بہر حال مؤنث دونوں صورتوں میں برابر، لفظ زمان ہو یا کوئی مفہوم عام، پر تخصیص زمانی ہی کیا ہے۔ اس صورت میں ہر نوع میں مفہوم خاتمیت جُدا طرح ظہور کرے گا۔

لے خاتم کا معنیٰ عام ہوگا تو عام معنیٰ کا ظہور ہر قسم میں جُدا جُدا ہوگا۔ خاتمیتِ زمانی اور طریقہ سے خاتمیت مرتبی اور رنگ میں۔ اور خاتمیتِ مکانی ایک دیگر رنگ میں ہوگی جیسا کہ آیت اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ الآیۃ میں لفظ رِجْسٌ عام ہے۔ اس کا ظہور خمر میں یوں ہوا کہ خود بھی نجس اور اس کا استعمال بھی حرام بخلاف میسر، انصاب اور ازلام کے، کہ خود ان کا وجود نجس نہیں بلکہ ان کا ایک استعمال حرام ہے۔ خمر ذات خمر ہونے کی وجہ سے نجس ہے جو خود بھی نجس ہے اور اس کا پینا بھی حرام ہے۔ اس کے برعکس باقی چیزیں ذاتی طور پر نجس نہیں بلکہ ان کے ساتھ ایک خاص فعل نجس ہے۔

پس جیسے یہاں رجس عام ہے اور اس کے تحت مختلف اقسام، اسی طرح "خاتم" کا معنیٰ عام لیا جائے جو تینوں قسم کی خاتمیت پر مشتمل ہو۔ اس طرح تینوں معنیٰ خاتمیت کے بیک وقت یہاں مراد لیے جا سکیں گے خاتم مرتبی، خاتم زمانی اور خاتم مکانی۔ پہلے دونوں معانی میں مبدا، تعین متعین ہے یعنی نیچے سے اُوپر کی جانب اسی طرح خاتمیتِ مکانی میں بھی مبدا تعین کرنا کوئی مشکل نہیں۔ وہاں بھی نیچے سے اُوپر کی جانب مراد ہوگا۔ یعنی جو سب سے اُوپر والی زمین پر ہے وہ آخری اور خاتم ہے۔

خاتمیت میں عموم مراد ہو تو خاتمیت نصاً ثابت ہوگی۔ اور خاتم مرتبی مراد ہو، تو دلالت مطابقی کے ساتھ تو نہیں، البتہ دلالتِ التزامی کے ساتھ اسی نص سے ثابت ہو جائیگی کیونکہ اُوپر گزر چکا ہے کہ ایسی ارفع و اعلیٰ نبوت کا ٹھکانہ سوائے آخر کے اور کسی جگہ نہیں۔ ایسی نبوت نہ ابتدا میں آسکتی ہے اور نہ درمیان میں۔ پھر قرآن کریم کی اس دلالتِ التزامی کے ساتھ ختمِ نبوت کے بارے میں آنے والی احادیث جن میں ختمِ نبوتِ زمانی ہی بیان کی گئی ہے اور اجماعِ اُمت علاوہ تو یہ مسئلہ کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا اور آپ آخری نبی ہیں ایسا قطعی ہو جاتا ہے کہ اس کا منکر کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار پاتا ہے۔ جیسا کہ تعداد رکعات فرائض متواتر ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔

لفظ رجس سے خاتم کے معنی میں عموم پر استدلال

جیسے آیت اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ میں مفہوم رِجْسٌ جنس عام ہے کہ اس کے لیے خمر جدا نوع ہے اور میسر وغیرہ جدا۔ وہاں رجس نے اور طرح ظہور کیا یہاں اور طرح یعنی خمر میں نجاستِ ظاہری بھی ظاہر ہوئی۔ انواعِ باقیہ میں فقط نجاست باطنی ہی رہی سو جیسی علتِ اختلافِ ظہور مذکور یہ ہوئی کہ یہاں فعل شرب شراب کے باعث ممنوع ہوا اس لیے پانی وغیرہ کا پینا ممنوع نہیں تو یہاں "رجس" صفتِ اصلی جسم شراب کی ہوگی اور "میسر" وغیرہ میں اشیاء معلومہ اعمال کے باعث بُری ہوئیں۔ کیونکہ اشیاء معلومہ آلاتِ افعال معلومہ ہیں۔ اس لیے رجس صفت اصلی افعال کی ہوگی۔ سو ان کی ناپاکی وہی نجاست باطنی مگر جیسے افعال و شراب میں فرق ہے اور پھر وصف رجس میں متحد۔ ایسے ہی یہاں قصہ ہے بلکہ یہاں تینوں نوعوں کا موصوف بتقدم و تاخر ہونا ایسا ظاہر ہے، جیسے شراب کا موصوف بہ رجس ہونا مثل اتصاف افعال بہ رجس خفی محتمل تجوز نہیں۔ سو اگر یہاں خاتم مثل رجس جنس عام رکھا جائے تو بدرجۂ اولیٰ قابلِ قبول ہے۔ اس میں خاتمیتِ زمانی اور مرتبی کو ضرورتِ تعیین مبدأ بتقدم نہیں، ہاں مکانی میں ہے۔ سو بقیاس تاخر مرتبی یہاں بھی نیچے سے شروع سمجھا جائے گا اور زمین علیا پر اختتام ہوگا۔ سو اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوتِ خاتمیتِ زمانی ظاہر ہے ورنہ تسلیم لزوم خاتمیتِ زمانی بدلالتِ التزامی ضرور ثابت ہے۔ ادھر تصریحاتِ نبوی مثل انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی او کما قال۔ جو بظاہر بطرز مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے اس باب میں کافی۔ کیونکہ یہ مضمون درجۂ تواتر کو پہنچ گیا ہے، پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہوگیا۔ گو الفاظ مذکور بسندِ تواتر منقول نہ ہوں۔ سو یہ عدم تواترِ الفاظ باوجود تواتر معنوی یہاں ایسا ہی ہوگا۔ جیسا تواتر عدد رکعات فرائض و وتر وغیرہ باوجودیکہ الفاظ حدیث مشعرہ تعداد رکعات متواتر نہیں۔ جیسا ان کا منکر کافر ہے، ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہوگا

اب دیکھیے کہ اس صورت میں عطف بین الجملتین اور استدراک اور استثناء مذکور بھی بغایت درجہ چسپاں نظر آتا ہے اور خاتمیت بھی بوجہ احسن ثابت ہوتی ہے اور خاتمیتِ زمانی بھی ہاتھ سے نہیں جاتی۔ اور نیز اس صورت میں جیسے قرأۃ خاتِم بکسرالتاء چسپاں ہے۔ ایسے ہی قرأۃ خاتَم بفتح التاء بھی نہایت درجہ کو بے تکلف موزوں ہو جاتی ہے کیونکہ جیسے خاتَم بفتح التاء کا اثر اور نقش مختوم علیہ میں ہوتا ہے ایسے موصوف بالذات کا اثر موصوف بالعرض میں ہوتا ہے۔

آیت ختم نبوت کا مفہوم

حاصل مطلب آیۃ کریمہ کا اس صورت میں یہ ہوگا کہ ابوۃ معروفہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مرد کی نسبت حاصل نہیں۔ پر ابوۃ معنوی اُمتیوں کی نسبت بھی حاصل ہے اور انبیاء[۲] کی نسبت بھی حاصل ہے۔ انبیاء کی نسبت تو لفظ خاتم النبیین شاہد ہے۔ کیونکہ اوصاف معروض و موصوف بالعرض موصوف بالذات کے فرع ہوتے ہیں۔ موصوف بالذات اوصافِ عرضیہ کی اصل ہوتا ہے اور وہ اس کی نسل۔ اور ظاہر ہے کہ والد کو والد اور اولاد کو اولاد اسی لحاظ سے کہتے ہیں کہ یہ اس سے پیدا ہوتے ہیں وہ فاعل ہوتا ہے۔ چنانچہ والد

---

[۱] یہاں بحث مذکور کا خلاصہ اور نتیجہ بیان فرماتے ہیں۔ اب آیت کے دو جملوں مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ اور وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ میں ربط ظاہر ہوگیا کہ ابوۃ جسمانی تو نہیں مگر ابوۃ روحانی ضرور ہے اور خاتمیت بوجہ احسن یعنی جو تینوں قسم کی خاتمیت کو شامل ہے، ثابت ہوگئی خاتمیتِ زمانی بھی ثابت ہوگئی۔ اور خاتَم بفتحہ تاء کے ساتھ اور خاتِم کسرہ تاء کے ساتھ، ان دونوں میں یکجہتی بھی پیدا ہوگئی۔ ۱۲

[۲] اب آیت مذکور کا مفہوم یہ ہوگا۔ ابوتِ نسبی تو کسی مرد کے لیے نہیں، پر ابوۃ معنوی اُمتیوں کی بہ نسبت حاصل ہے اور دیگر انبیاء کی بہ نسبت بھی کیونکہ آپ کی نبوت ذاتی ہے اور باقی آپ کے فیضان سے نبی ہیں جیسے باپ کے فیضان والے ذریعہ سے بیٹا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے باپ کو والد اور بیٹے کو مولود کہا جاتا ہے۔ ۱۲

کا اسم فاعل ہونا اس پر شاہد ہے۔ اور یہ منقول ہوتے ہیں، چنانچہ اولاد کو مولود کہنا اس کی دلیل ہے۔ سو جب ذات بابرکات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم موصوف بالذات بالنبوۃ ہوئی اور انبیاء باقی موصوف بالعرض، تو یہ بات اب ثابت ہوگئی کہ آپ والدِ معنوی ہیں اور انبیاء باقی آپکے حق میں تو اولادِ معنوی اور امتیوں کی نسبت لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں غور کیجئے

---

[1] امتیوں کی یہ نسبت آپؐ والد کیسے ہیں؟ اس کو اس طرح بیان فرمایا گیا۔ محمد رسول اللہ یہ جزء ایک مقدمہ اور بات ہوئی۔ (منطق اس کو صغریٰ کہتے ہیں) اور النبیؐ اولی بالمؤمنین الآیۃ دوسرا مقدمہ اور دوسری بات (منطق اس کو کبریٰ کہتے ہیں)۔ ان دونوں باتوں کو جوڑنے سے مطلب یہ نکلتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے قریب تر ہیں، ان کی جان سے بھی، جب اولی کا معنی اقرب ہو، اور اگر اولی کا معنی اَحَبُّ یا اولی بالتصرف کرو تو پھر بھی قریب ثابت ہوتا ہے کیونکہ محبوب وہی ہوتا ہے جو قریب ہو۔ اولی بالتصرف بھی وہاں ہوگا جو قریب ہو۔ مگر اس کا عکس نہیں ہوسکتا کہ اَحَبُّ اور اولی تو ہو مگر قریب نہ ہو۔ کیونکہ قرب کے سوا اولی بالتصرف اور اَحَبُّ نہیں ہوسکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کی جانوں سے بھی اُن کے زیادہ قریب ہیں۔ اس پر حضرت نانوتویؒ دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ایمان والی وصف اصل میں آپؐ کی ہے اور مومنوں کو یہ وصف آپ کے ذریعہ سے ملی ہے آپؐ وصفِ ایمان کے ساتھ موصوف بالذات ہیں اور دوسرے لوگ آپ کے واسطے سے موصوف بالعرض ہیں۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جن لوگوں کو ربط، قرب اور تعلق ہوگا۔ وہی اس وصف کے ساتھ موصوف ہوں گے اور جن لوگوں کو آپ کے ساتھ تعلق اور قرب و ربط حاصل نہیں، وہ اس سعادت سے محروم ہیں۔ گویا ایمان کے لیے آپ کی ذات بابرکات مدار اور علت ٹھہری اور مومنوں کا ایمان دراصل معلول۔ قانون یہ ہے کہ علت یا اصل کو جو تعلق اپنے معلول یا فروع کے ساتھ ہوتا ہے وہ تعلق فروع کو اپنے ساتھ بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ اصل نہ ہو تو فرع کا وجود ہی نہیں ہوتا جیسا کہ سورج نہ ہو تو زمین منور ہی نہیں ہوسکتی، سورج ہوگا تو زمین منور ہوگی اب منور ہونیکا وجود سورج پر موقوف ہے۔ اگر سورج ہو تو بھی منور ہوگی ورنہ منور ہونے کا وجود ہی نہیں، تو اس کو اپنے وجود کے ساتھ کون سا تعلق پیدا ہوا۔ ۱۲۔

تو یہ بات واضح ہے۔

آیۃ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی الخ سے تائید نیز اس آیۃ کا مفہوم

پر آیت اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ ملانے کی ضرورت ہے۔ مجمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صغریٰ بنایئے اور اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ کو کبریٰ۔ دیکھئے یہ نتیجہ نکلتا ہے یا نہیں۔ صورت اس کی یہ ہے کہ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ کو بعد لحاظ صلہ مِنْ اَنْفُسِھِمْ کے دیکھئے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمّت کے ساتھ وہ قرب حاصل ہے کہ ان کی جانوں کو بھی اُن کے ساتھ حاصل نہیں کیونکہ اَوْلٰی بمعنیٰ اقرب ہے۔ اور اگر بمعنی اَحَبُّ یا اولیٰ بالتصرّف ہو، تب بھی یہی بات لازم آئے گی کیونکہ احبیّت اور اولویّت بالتصرف کے لیے اقربیت تو وجہ ہو سکتی ہے پر بالعکس نہیں ہو سکتا۔ دلیل سُنئے کہ ایسی اقربیت جو اپنی حقیقت سے بھی زیادہ ہو بجز موصوف بالذات کے کہ موصوف بالعرض یا وصفِ عارض کی نسبت ہوتا ہے اور کسی کو کسی کے ساتھ حاصل نہیں کیونکہ ربطِ افاضہ اگر بین الشیئین نہیں، تب تو باعتبار اصل حقیقت استغناء اور تباین ہوگا۔ اگرچہ دونوں ایک موصوف میں اتفاق مجتمع ہوں اتنا قرب کہاں، اور اگر ربطِ افاضہ بین الشیئین ہے یعنی ایک موصوف بالذات اور دوسرا موصوف بالعرض ہے تو لاجرم موصوف بالعرض کے ساتھ بحیثیت وصفِ عارض، اور خود وصفِ عارض محتاج موصوف بالذات ہوتے ہیں۔ سو وصفِ عارض کو جو کچھ تشخص حاصل ہوتا ہے بعد تحقق حاصل ہوتا ہے:

اور علیٰ ہٰذا القیاس[1] ادراکِ تشخص بھی بعد ادراکِ اصلِ وجود ہوتا ہے۔

---

[1] جیسے فرع اپنے وجود میں اصل کا محتاج ہے اور معلول اپنے وجود میں علّت کا محتاج ہے۔ اسی طرح معلول کا علم و ادراک موقوف ہے علّت کے علم و ادراک پر۔ پہلے علّت معلوم ہوگی پھر معلول کا علم ہوگا۔ کیونکہ علم کی مدار قرب پر ہے۔ جب معلول کے ساتھ علّت کا قرب معلول کے اپنے وجود سے

(باقی حاشیہ صفحہ ۶۰ پر)

مثال :۔ چنانچہ دُور سے کسی کو دیکھئے تو ایک وجودِ مبہم ہوتا ہے جس کا انطباق ہزاروں

بقیہ حاشیہ :۔ بھی زیادہ ہے تو علم علت کا پہلے ہوگا اور معلول کا بعد میں۔ اس کی مثال یوں سمجھیے۔ دُور سے کوئی چیز دکھائی دے تو یہ متعین نہیں ہو سکتا کہ فلاں چیز ہے۔ لیکن جوں جوں قریب آئے گی وہ متعین ہو جائے گی۔ پس معلوم ہوا کہ علم کی دارومدار قرب پر ہے۔ علاوہ ازیں معلومیت بھی ایک وصف ہے جو علم کے ساتھ قائم اور معلوم پر واقع ہوتی ہے۔ کیونکہ علم نام ہے کسی چیز کی صورت کا ذہن میں آنا۔ یہی صورت اس معلوم کا وجودِ ذہنی ہے وہ عالم کے ساتھ قائم ہے۔ یا علم کہتے ہیں نورِ تام کو جو مبداءِ انکشاف ہو۔ یہ نور جن چیزوں کا احاطہ کر لیتا ہے وہ معلوم کہلاتی ہیں اور جن اشیاء کو یہ محیط نہیں ہو سکتا وہ معلوم نہیں کہلاتیں۔ لیکن یہ نور جو مبداءِ انکشافِ اشیاء بنتا ہے اور عالم کے ساتھ قائم ہوتا ہے مطلق ہے۔ اس کے ساتھ کسی قید کا تعلق نہیں کہ نور کا ٹکڑا ایک بالشت ہو یا گز بھر ہو کیونکہ ان قیود کو علمی تشخصات کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ نور کا وہ ٹکڑا جو ایک بالشت ہو یا اتنی گہری اور لمبی چوڑی چیز کا علم ہو، تو اُسے علمِ خاص اور علمِ متشخص کہا جاتا ہے۔ دراصل یہ خصوصیات معلوم کی ہیں جو علم میں آگئی ہیں۔ علم تو نورِ مطلق تھا، اس میں ان خصوصیات کا لحاظ نہیں تھا۔ حقائقِ ممکنات وہ خصوصیات ہی ہیں جو عالم کے ذہن کے ساتھ قائم ہوتی ہیں۔ جیسا کہ بکری کی حقیقت وہ شکل و صورت اور نقشہ ہی ہے جو عالم کے ذہن میں قائم ہوا۔ پس اگر ایک عالم محض حقائق کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے تو اُس کو صرف اپنے ذہن کی طرف توجہ کرنی چاہیئے اور یہی عمل اُس کے لیے کافی ثابت ہوگا نہ کہ اُن حقائق کے وجوداتِ خارجیہ کی طرف۔ اس صورت میں یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ موصوف بالذات موصوف بالعرض کے اپنے وجود سے بھی اس کی حقیقت کے زیادہ قریب ہے۔ اب ایک مومن جب اپنے مومن ہونے کی حیثیت سے تصور کریگا تو پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور کرے گا کہ ایمان دراصل وہاں ہے، اس کا ایک حصہ مجھے نصیب ہوا ہے۔ یہ دلیل چونکہ علت سے معلول کی طرف حرکت ہے۔ اس لیے منطقی اسے دلیلِ لمّی کہتے ہیں۔ اگر پہلے اپنے مومن ہونے کا خیال کرے، پھر یوں سوچے کہ یہ ایمان کہاں سے آیا، اور تب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور آئے تو یہ دلیلِ انّی کہلائے گی۔ کیونکہ یہاں معلول کو علت بنایا ہے یعنی اپنے اتصاف بالایمان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتصاف بالایمان کے لیے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اسی لیے دلیلِ لمّی کا درجہ دلیلِ انّی پر مقدم ہے۔

احتمالوں پر متصوّر ہے۔ پر جوں جوں قریب آتا جاتا ہے اور وہ ابہام مرتفع ہو جاتا ہے اور تمیز
جو ادراک تشخصات پر موقوف ہے حاصل ہوتی جاتی ہے۔ سو جب حالتِ بُعد میں یہ حال ہے
تو حالتِ قرب میں تو اس امرِ مبہم کو اور بھی وضاحت ہو جائے گی۔ جس کی وجہ سے تقدم علی
ادراک التشخصات ضرور تر ہے۔ علاوہ بریں معلوم ہونا خود ایک وصفِ وجودی ہے اور معلومات
کا معلوم ہونا ضروری۔ جس کے معنی قطع نظرِ تقلید سے کر کے انصاف سے دیکھیے، تو یہ معلوم ہوتے
ہیں کہ افاضہ وجودِ ذہنی عالم کی طرف سے اس پر ہوتا ہے اور وہ نُورِ علم جو ذاتِ عالم کے
ساتھ اسی طرح قائم ہے جیسے آفتاب کا نُور آفتاب کے ساتھ اس کو ایسی طرح محیط ہو جاتا
ہے جیسے نُورِ مذکور اشیاءِ مستنیرہ کو۔ اور ظاہر ہے کہ عالم کو اگر ادراکِ معلومات ہو گا تو وہ ایسا
ہی ہو گا جیسے فرض کرو آفتاب کو انوارِ خاصہ در و دیوار کا علم جن کو ہم دھوپ کہتے ہیں، سو
اس میں سے نُورِ مُطلق جیسے صفتِ آفتاب ہے اور تثلیث اور تربیع وغیرہ تقطیعاتِ
دھوپ، جو صحن خانوں وغیرہ کی طرف سے لاحق ہوتے ہیں، اصل میں صفتِ صحن خانہا
وغیرہ اور اس وجہ سے درصورتِ علم مفروض جو آفتاب کو حاصل ہو گا۔ علم نورِ مُطلق باین وجہ
کہ اپنی صفت ہی علمِ تقطیعات سے جو اوروں کی صفت ہے مقدّم ہو گا۔ ایسے ہی نورِ علم
مذکور صفتِ عالم ہے اور تشخصاتِ معلومات صفاتِ معلومات، اور اس وجہ سے علم صفت جو
عینِ علم ہے علمِ تشخصات سے مقدّم ہو گا۔ اور ظاہر ہے کہ نُور آپ خود منوّر ہے اور یہ تشخصات
اور تعینات جو حقیقت میں حقیقتِ معلوم ہیں کیونکہ مسمّٰی زید و عمر وغیرہ، یہ خصوصیاتِ خاصہ
ہیں جن کی وجہ سے باہم تباین ہے نہ وہ امرِ مشترک جس کو حقیقتِ انسان کہیے منوّر بالعرض
سو اس حرکتِ علم میں جب نورِ مطلق اوّل آیا، اور حقیقتِ مذکورہ دوسری بار تو درصورتیکہ مقصود
بالعلم وہ حقائق ہی ہوں اور طالبِ علم خود صاحبِ حقیقت، تو یوں کہنا پڑے گا۔ موصوف
بالذات اس موصوف بالعرض سے اس کی حقیقت کی نسبت بھی زیادہ قریب ہے کیونکہ
قریب و بعید کی دریافت کے لیے کمی بیشی فاصلہ ضرور ہے اور فاصلہ کے کم ہونے کی یہ علامت
ہے کہ ادھر کو حرکت کیجیے تو زیادہ فاصلہ کی چیز سے پہلے آئے۔

دلیلِ انّی اور دلیلِ لمّی

سو دیکھ لیجیے، حرکتِ فکری میں اوّل دلیل آتی ہے اور پھر مدلول اس لیے استدلالِ لمّی میں بایں وجہ کہ دلیل جو حقیقت میں علّت ہوتی ہے، اوّل علّت آئے گی اور مطلوب بعد میں۔ اس صورت میں دلیل یعنی علّت کو مطلوب سے بہ نسبت مطلوب کے بھی زیادہ قرب ہوگا مگر یہ قرب بہ نسبت معلول کے سوائے علّت اور کسی کو نصیب نہیں کیونکہ اصل میں انفصال ہے گو اتصال ہو، تو جہاں یہ قُرب ہوگا یہی علّیت معلولیت ہوگی۔ اور وقت استدلال اگر خود معلول ہے، اپنے ادراک کی طرف متوجہ ہو، اور مستدل باستدلالِ لمّی ہو، تو یہ بات صاف روشن ہو جائے گی کہ طالب کی ذات سے اس کی علّت قریب ہے۔ سو اگر مومنین کو اپنی حقیقت کا ادراک مطلوب ہوگا تو بیشک اوّل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حرکتِ فکری میں آئیں گے، پھر اُن کی حقیقت۔ باقی رہی دلیلِ انّی، وہ حقیقت میں دلیل ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ استدلالِ انّی کے لیے ضرور ہے کہ اوّل استدلالِ لمّی ہو لے۔ اگر آفتاب کو علّتِ نور نہ سمجھیں تو پھر نور سے وجودِ آفتاب پر استدلال ممکن نہیں اور یہ سمجھنا کہ یہ علّت ہے اور یہ معلول یہی استدلال لمّی ہے استدلال لمّی میں سوائے اس کے اور کیا ہوتا ہے۔

الغرض وجودِ ذہنی معلول بھی علّت کے وجودِ ذہنی پر ایسی طرح موقوف ہے جیسے اس کا وجود اس کے وجودِ خارجی پر۔ باقی استدلالِ انّی میں علم تازہ نہیں ہوتا، علم سابق کا استحضار ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ علّت اپنے معلول میں بہ نسبت اس کی حقیقت کے جو تعینات اور تشخصات ہیں اور منجملہ لواحق اور توابع اور محتاج فی التحقق اولیٰ بالتصرف ہے۔ علیٰ ہذا القیاس معلول کو اگر قابلِ محبت ہے جو محبت اپنی علّت سے ہوگی جو اس کی اصل ہے اور اسی کا پرتو اس میں ہے۔ چنانچہ مثال نورِ آفتاب سے ظاہر ہے، وہ محبت تعینات سے کاہے کو ہوگی جو لواحق ہیں اور باہم اتفاقی ملاقات ہوگئی ہے۔ اس صورت میں علّت کو بہ نسبت اس کے معلول کے اگر اَحَبُّ الیہ من نفسہٖ کہا جائے تو بجا ہے۔

لفظ اَولیٰ کا معنیٰ اَقرب ہی زیادہ مناسب ہے

غرض اولیٰ بمعنیٰ اقرب ان دونوں معنوں کو مستلزم ہے اور یہ دونوں

اس کے منافی نہیں بلکہ اس کے تحقق پر ایسی طرح دال ہیں جیسے نورِ آفتاب طلوعِ آفتاب پر دلالت کرتا ہے، سو جیسے طلوعِ آفتاب وجودِ نور پر مقدم ہے ایسے ہی تحقق اولویت بمعنی اقربیت، تحقق اولویت بالتصرف اور اولویت بمعنی احبیت پر مقدم ہوگی۔ غرض اقربیت مذکورہ کا مابین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اُمّت مرحومہ ہونا بایں طور کہ آپ اقرب الامۃ المرحومۃ من انفسہم ہوں ضرور ہے۔ اور یہ بجز اس کے متصور نہیں کہ آپ علت ہوں اور امۃ مرحومہ اعنی مومنین معلول۔ اور ظاہر ہے، کہ معلول میں جو کچھ ہوتا ہے۔ فیضِ علت اور عطاء علت ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے لیے صیغہ مفعول تجویز کیا گیا۔ اس صورت میں علت میں ضرور ہے کہ وہ فیض ذاتی ہو، ورنہ وہاں بھی عرضی ہو تو کوئی اور ہی مفیض حقیقی ہوگا۔ کیونکہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ وصفِ عرضی خود بخود ہو جائے۔ کوئی موصوف بالذات ضرور ہے سو وہی ہمارے نزدیک علتِ اصلی ہے۔

الغرض لفظ رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) جو مترادف نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یا متضمن معنی نبی اللہ کو ہے، جب صغریٰ بنایئے تو بوجہ اجتماعِ شرائطِ ضروریہ جو شکل اوّل میں ہونی چاہئیں، یہ نتیجہ نکلے گا محمد اولی بالمومنین من انفسہم۔

ایمان بالذات اور ایمان بالعرض

اور یہ بات اس بات کو مستلزم ہے کہ وصف ایمانی آپ میں بالذات ہو، اور مومنین میں بالعرض۔ آپ اس امر میں مومنین کے حق میں والدِ معنوی ہیں۔ یعنی اوروں کا ایمان آپ کے ایمان سے پیدا ہوا ہے۔ آپ کا ایمان اوروں کے ایمان کی اصل ہے۔ اوروں کا ایمان آپ کے ایمان کی نسل۔ اس تقریر پر وجہ عطف مذکور اور استدراکِ مسطور خوب واضح ہو گئی اس لیے اس مضمون کو یہیں ختم کرتا ہوں۔ اگرچہ خوبی مزید توضیح اس بات کو مقتضی تھی کہ مثل علم ایمان کا ایک وصف فطری ہونا۔ اور یہ بات کہ ایمان کمالاتِ علمی میں سے ہے پر علم پر موقوف اور نبوّت کمالاتِ علمی میں سے ہے پر عمل کو مستلزم۔ اور نیز یہ امر کہ انبیاء کس بات میں آپ کے ساتھ علاقہ مولودیت رکھتے ہیں اور امت کس بات میں، اور پھر

کیوں لفظ مشیر تولد مومنین کو لفظ مشیر تولد انبیاء سے مقدم رکھا، یہ باتیں بیان کرتا اور حسب فہم موجہ کرپاتا۔ پر باندیشہ تطویل قدرِ ضرورت پر اکتفا کرکے عرض پرداز ہوں کہ:۔

لفظ خاتم کے اطلاق کا فائدہ

اطلاقِ خاتم اس بات کو مقتضی ہے کہ تمام انبیاء کا سلسلۂ نبوت آپ پر ختم ہوتا ہے جیسے انبیاء گذشتہ کا وصف نبوت میں حسب تقریر مسطور اس لفظِ خاتم سے آپ کی طرف محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور آپ کا اس وصف میں کسی طرف محتاج نہ ہونا، اس میں انبیاء گذشتہ ہوں

لہ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وصفِ نبوۃ اصلی اور ذاتی ہے اور باقی نبیوں کے لیے بالواسطہ اور بالعرض ہے نیز وصفِ نبوت میں باقی نبی آپ کے محتاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے آپ کو جو مرتبہ عطا کیا ہے، پہلے انبیاء بھی آپ کے محتاج ہیں۔ اور بالفرض اب اگر کوئی نبی آئے تو وہ بھی آپ ہی کا محتاج ہوگا۔ اس سے آپکے مرتبہ میں کسی قسم کا فرق نہیں پڑتا کیونکہ آپ نبوت میں سوائے خدائے لم یزل کے کسی کے محتاج نہیں۔ اس کے برعکس باقی انبیاء خواہ پہلے آچکے ہیں یا بالفرض اب آئیں، آپ ہی کے واسطے سے نبی بنے ہیں یا بنیں گے۔ مگر ایسی نبوت کا مقام نہ اول میں نہ درمیان میں ہو سکتا ہے، بلکہ سب سے آخر میں آنا ضروری ہے۔ پس آپ کی نبوت کے بعد کسی دوسری نبوت کو ماننا کفر ہے بالکل اسی طرح جیسے نمازِ فجر کے دو فرضوں کا انکار کرنا صریح کفر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نانوتویؒ یہاں بالفرض کی قید لگاتے ہیں کہ ایسا ہونا یعنی کسی نبوت کا وقوع یا وجود تو ناممکن اور محال بلکہ ممتنع ہے لیکن اگر بالفرض ایسا ہو بھی جائے تو آپ کے مرتبہ میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اب اگر کوئی مرزائی یا کسی نبوت کاذبہ کے مدعی کا پیروکار یا ان کا ہمنوا اس سے امکانِ نبوت ثابت کرے تو پھر اس کو لازم ہے کہ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ میں بھی رحمٰن کے لیے اولاد کا ہونا تسلیم کرے یا لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ میں بہت سے خداؤں کا وجود ممکن مانے۔ کیونکہ دونوں آیات میں اِنْ اور لَوْ بالفرض کا معنیٰ ادا کرتے ہیں۔ اگر یہاں بالفرض کے لفظ آجانے کے باوجود امکان کا تصور باقی رہتا ہے، پھر آیاتِ مذکورہ میں بھی یہ امکان کیوں نہیں ہو سکتا۔ کیا کوئی انصاف پسند بلکہ ذی ہوش و حواس اور صاحبِ عقل و خرد بالفرض کے لفظ کو نظر انداز کر سکتا ہے۔ یا اس کے بعد بھی امکان کا قائل ہو سکتا ہے۔

یا کوئی اور اسی طرح اگر فرض کیجئے، آپ کے زمانے میں بھی اس زمین میں یا کسی اور زمین میں یا آسمان میں کوئی نبی ہو تو وہ بھی اس وصفِ نبوت میں آپ ہی کا محتاج ہوگا۔ اور اس کا سلسلۂ نبوت بہرطور آپ پر مختتم ہوگا۔ اور کیوں نہ ہو، عمل کا سلسلہ علم پر ختم ہوتا ہے۔ جب علم ممکن للبشر ہی ختم ہو لیا تو پھر سلسلہ علم و عمل کیا چلے۔

غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جاوے جو میں نے عرض کیا، تو آپ کا خاتم ہونا انبیا گذشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا، بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ مگر جیسے[1] اطلاق خاتم النبیین اس بات کو مقتضی ہے، کہ اس لفظ میں کچھ تاویل نہ کیجئے اور علی العموم تمام انبیاء کا خاتم کہئے۔

لفظِ مثلہن سے سات زمینوں کا ثبوت

اسی طرح اطلاق لفظ مثلہن جو آیۂ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ میں واقع ہے اس بات کو مقتضی ہے کہ سوائے تباین ذاتی ارض و سما جو لفظ سموات اور لفظ ارض سے مفہوم ہے اور ان دونوں لفظوں کا ذکر کرنا اس باب میں بمنزلۂ استثناء ہے اور نیز علاوہ اس تباین کے جو بوجہ اختلافِ لوازمِ ذاتی یا اختلافِ مناسباتِ ذاتی، خواہ منجملہ لوازمِ وجود ہوں یا مفارق بین السماء والارض متصور ہے اور بالالتزام مستثنیٰ ہے۔ بجمیع الوجوہ بین السماء والارض مماثلت ہونی چاہیے۔ سو اس میں سے مماثلت فی العدد اور مماثلت فی البعد اور فوق و تحت ہونے میں مماثلت تو اسی حدیث مرفوع سے معلوم ہوتی ہے جس سے تحقق سبع ارضین معلوم ہوا ہے۔

---

[1] جیسے لفظ خاتم النبیین میں تعمیم مراد ہے اور تمام نبیوں کے آپ خاتم ہیں۔ اسی طرح لفظ مثلہن میں بھی عموم ہے۔ آسمان اور زمین کے درمیان مماثلت تامہ ہے سوائے دونوں کی ذات اور لوازم ذاتیہ اعتبار سے کیونکہ اس اعتبار سے دونوں میں تباین ہے۔ جیسے اگلی حدیث میں تعداد اور فوق و تحت کے اعتبار سے تماثل بیان کیا گیا ہے۔

حدیث سے سات زمینوں کا ثبوت

اور صاحب مشکوٰۃ نے بحوالہ امام ترمذیؒ اور امام احمدؒ باب بدأ الخلق میں اس کو روایت کیا ہے اور ترمذی میں کتاب التفسیر میں سورۂ حدید کی تفسیر میں روایت کیا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے۔

وعن ابی ھریرۃؓ قال بینما نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالس واصحابہ اذا اتی علیھم سحاب فقال نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھل تدرون ھذا۔ قالوا اللہ ورسولہ اعلم۔ قال ھذہ العنان ھذہ روایا الارض فیسوقھا اللہ الی قوم لا یشکرونہ ولا یدعونہ ثم قال ھل تدرون ما فوقکم قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال فانھا الرفیع سقف محفوظ وموج مکفوف۔ ثم قال ھل تدرون ما بینکم وبینھا قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال بینکم وبینھا خمس مائۃ عام ثم قال ھل تدرون ما فوق ذٰلک قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال سماءان بُعد ما بینھما خمس مائۃ سنۃ ثم قال کذٰلک حتیٰ عد سبع سمٰوات ما بین کل سمائین ما بین السماء والارض ثم قال ھل تدرون ما فوق ذٰلک قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال ان فوق ذٰلک العرش وبینہ وبین السماء بُعد ما بین السمائین ثم قال ھل تدرون ما الذی تحتکم قالوا اللہ ورسولہ اعلم۔ قال انھا الارض ثم قال ھل تدرون ما تحت ذٰلک۔ قالوا اللہ ورسولہ اعلم۔ قال ان تحتھا ارضا اخریٰ بینھما مسیرۃ خمس مائۃ سنۃ حتیٰ عد سبع ارضین، بین کل ارضین مسیرۃ خمس مائۃ سنۃ ثم قال والذی نفس محمد بیدہ لو انکم دلیتم بحبل الی الارض السفلی لھبط علی اللہ ثم قرأ ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ وھو بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ

(رواہ احمد والترمذی انتہیٰ)

سات زمینوں کی ترتیب

اس حدیث سے علاوہ اس کے کہ یہ زمین سب میں اوپر ہے، سات زمینوں کا ہونا اور وہ بھی نیچے اُوپر ہونا اور ہر ایک زمین سے دوسری زمین تک ساتوں زمینوں میں پانچ پانچ سو برس کی راہ کا فاصلہ ہونا بتصریح ثابت ہے۔ غرض یہ تینوں مماثلتیں تو اسی حدیث سے بتصریح معلوم ہو گئیں جس کے معلوم ہونے سے یہ خیال کہ بعد منہائی تباین مذکور کے اور سب باتوں میں بشہادت اطلاق و عموم کلام ربّانی مماثلت مراد ہے، اور بھی قوی ہو گیا۔ اور کیوں نہ ہو۔ اوّل تو مِثۡلَهُنَّ بھی اسی کلام اللہ میں ہے جس میں لفظ خاتم النبیین، جس کے اطلاق اور نبیین کے عموم کے باعث کسی نے آج تک ائمۂ دین میں سے اس میں کسی قسم کی تاویل یا تخصیص کا کرنا جائز نہ سمجھا۔ توراۃ و انجیل یا کسی پنڈت کی پوتھی میں نہیں، جو احتمالِ تحریف و افترا ہو۔ پھر تس پر حدیث مذکور اس قدر مصدّق خیالِ مذکور، علاوہ بریں مقابل کعبۂ ارض و آسمان میں بیتِ معمور کا ہونا اور پھر باین نظر کہ مقابل کعبہ اُوپر کہیں تک جاؤ، اور نیچے تحت الثریٰ تک تو کعبہ ہی ہے، خیالِ مماثلت کو اور دو چند مستحکم کئے دیتا ہے۔ بایں ہمہ اطلاقِ مماثلت میں مزید رفعتِ مراتب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہاں تک کہ اگر اطلاقِ مذکور کو تسلیم نہ کیجیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت کے سات حصّوں میں سے کل ایک ہی باقی رہ جائے، اور چھ حصّے عظمت کم ہو جائے۔ چنانچہ انشاء اللہ قریب ہی یہ معمّہ حل ہوا چاہتا ہے۔

ہر زمین میں آبادی ہے

خیر اصل مطلب یہ ہے کہ جب یہ بات ثابت ہوئی کہ سات آسمان ہیں اور وہ بھی اُوپر نیچے کیف ما اتفق دائیں بائیں آگے پیچھے واقع نہیں اور پھر ان میں پانچ پانچ سو برسوں کا فاصلہ نکلا، اور اسی طرح

لہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُوپر والا آسمان اور اس کے مکین نچلے آسمانوں پر حاکم ہیں تو اسی طرح اوپر والی زمین اور اس کے باشندے نچلی زمینوں پر حاکم ہیں۔ ۱۲

زمینوں کا حال ہے۔ اتو رہی تحقیق سمجھنا چاہیے کہ جیسے ساتوں آسمانوں میں آبادی ہے اور پھر اوپر کے آسمان والے نیچے کے آسمان والوں پر حاکم ایسے ہی ساتوں زمینیں بھی آبادیوں کی اور اُوپر کی زمین والے نیچے کی زمین والوں پر حاکم ہوں گے۔

حدیث سے اس کا ثبوت

دلیل حکومت اہلِ سماوات فوقانی اوّل تو یہ حدیث ترمذی کی ہے۔ قال الترمذی فی ابواب التفسیر فی تفسیر سورۃ سبأ ثنا نصر بن علی الجہضمی ثنا عبد الاعلیٰ ثنا معمر عن الزہری عن علی ابن حسین عن ابن عباسؓ قال بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالس فی نفر من اصحابہ اذ رُمِیَ بنجم فاستنار فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما کنتم تقولون لمثل ھذا فی الجاھلیۃ اذ رایتموہ قالوا کنا نقول یموت عظیم او یولد عظیم، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانہ لا یُرمیٰ لموت احد ولا لحیوتہ ولکن ربنا تبارک اسمہ وتعالیٰ اذا قضیٰ امراً سبح حملۃ العرش ثم سبح اھل السماء الذین یلونھم ثم الذین یلونھم حتی یبلغ التسبیح الی ھذہ السماء ثم سأل اھل السماء السادسۃ اھل السماء السابعۃ ماذا قال ربکم قال فیخبرونھم ثم یستخبر اھل کل سماء حتی یبلغ الخبر اھل السماء الدنیاء وتختطف الشیاطین السمع فیرمون فیقذفون الی اولیائھم فما جاؤا بہ علیٰ وجھہ فھو حقٌّ ولکنھم یحرفون ویزیدون۔ (ھذا حدیث حسن صحیح)

اس مضمون سے صاف ظاہر ہے کہ حکم خداوندی ملائکہ کی نسبت جو کچھ ہوتا ہے وہ اس ترتیب سے نیچے پہنچتا ہے۔ سو یہ بات بعینہٖ ایسی ہے جیسے حکم بادشاہی جو کچھ ملازمان ماتحت کی نسبت ہوتا ہے، ان سے اُوپر کے ملازموں کے واسطے سے ان تک

پہنچتا ہے۔ چنانچہ سب کو معلوم ہے اور نیز مقتضائے حدیث دیگر بھی یہی ہے جو شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ العزیز نے تفسیر عزیزی سورہ بقرہ میں بذیل تفسیر آیۃ ثُمَّ اسْتَوٰىٓ اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ روایت کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ و ابن المنذر از ابن عباس روایت کردہ است کہ سیدۃ السمٰوات السماء التی فیہ العرش وسیدۃ الارضین التی انتم علیہا۔ اس حدیث سے ایک تو مماثلت زائدہ معلوم ہوئی۔ یعنی جیسے وہاں اُوپر کا آسمان افضل ہے کیونکہ عرش اس میں ہے یعنی اس سے متصل ہے، یہاں اُوپر کی زمین یعنی یہ زمین افضل ہے۔ دوسرے بدلالت التزامی یہ ثابت ہوا کہ اُوپر کے آسمان والے نیچے والوں پر حاکم ہوں کیونکہ افضلیت سموات ظاہر ہے، کہ باعتبار افضلیت سکان ہے۔ سو نوع واحد میں افضلیت اس بات کو مقتضی ہے کہ فرد افضل و اکمل موصوف بالذات ہو۔ کیونکہ موصوف بالذات کی طرف سے تو نوع واحد میں تفاوت افراد ممکن نہیں۔ اس لیے کہ وہ ایک ہوتا ہے اور جہاں دو نظر آتے ہیں۔ بایں نظر کہ نوع واحد میں تعدد ترکیب کو مقتضی ہے تاکہ اتحاد امر مشترک کی طرف راجع ہو۔ اور تباین امور متباینہ کی طرف، پھر انجام کار وحدت لازم آجاتی ہے۔ اس صورت میں لاجرم یہ اختلاف و تفاوت معروض اور قابل کی طرف سے ہوگا۔ کیونکہ حوادث میں جتنے اختلاف ہیں، وہ اپنی دو کی طرف یا ان کے متممات کی طرف، جیسے آلات و شرائط ہیں، منسوب ہوتے ہیں۔ بوجہ تنگیٔ مقام زیادہ شرح سے معذور ہوں۔ بایں ہمہ اہل فہم کے واسطے یہ مضامین معروض ہوئے ہیں، ان کو اتنا بھی کافی ہے۔

الغرض یہ اختلاف و تفاوت معروضات کی جانب ہوگا۔ مگر ظاہر ہے کہ اس صورت میں فرد اکمل وہ واسطہ فی العروض ہوگا جو اپنے معروضات کے حق میں موصوف بالذات ہوتا ہے، اگرچہ کسی اور کی نسبت وہ بھی معروض ہو۔ جیسے آئینہ وقت نور افشانی در و دیوار، اگر در و دیوار کی نسبت واسطہ فی العروض اور موصوف بالذات ہے، تو آفتاب کی نسبت خود معروض ہے۔ سو ایسے ہی امور مبحوث عنہا میں سمجھئے۔ دوسرے

بحکم عدل افضلیت بالضرور اس بات کو مقتضی ہے کہ جو افضل ہو، وہ باقیوں پر حاکم ہو۔
علاوہ بریں حسنِ انتظامِ خداوندی جو ہر نوع میں نمایاں ہے اس بات کو مقتضی ہے کہ جیسے
افراد کا سلسلہ نوع پر اور انواع کا سلسلہ جنس پر ختم ہوتا ہے، اور اس وجہ سے جنس کے احکام
و آثار انواع میں اور انواع کے احکام و آثار افراد میں جاری و ساری ہیں۔ یہ استقلال جو ہر
فرد ذوی العقول میں گونہ نمایاں ہے، اور اس وجہ سے وہ انتظام جو ان کے متحد ہو جانے
اور ان کے اجتماع پر موقوف ہے، باطل ہو جاتا ہے۔ کسی ایک آدمی کے متعلق کر کے اس
کو مستقل اعظم قرار دیا جائے جس کے سامنے یہ استقلالِ فرادیٰ فرادیٰ والے محتاج نظر
آئیں، سو اسی کا نام حکومت ہے بلکہ وجہ تکثر افراد کی غور سے کی جائے۔ تو وہ عروض ہے
کیونکہ اگر کلی کو معروضات کے ساتھ عروض نہ ہو تو یہ تعددِ افراد ہرگز ظاہر نہ ہو، اور اس
صورت میں مناسب یوں ہے کہ موصوف بالذات معروض پر بشرطیکہ قابلیتِ حکومت و
محکومیت رکھتے ہوں، حاکم ہوں، تاکہ متبوعیتِ باطنی در صورت متبوعیتِ ظاہر منجملہ وضع
الشیٔ فی محلہ سمجھی جائے۔ پھر یہ فوقیت و تحتیت باوجود اتحادِ نوعی بحکم عدل و حکمت اس بات
کو مقتضی ہے کہ جیسے فرد تنزلِ نوعی اور نوع تنزلِ جنسی ہوتا ہے، اسی طرح ارواح ملائکہ
سافل تنزل ارواح ملائکہ عالی ہوں تو بہت مناسب ہے تاکہ یہ تکثر اور فوقیت و تحتیت دونوں صحیح ہوں
لیے کہ تنزلِ مرتبہ بھی مثل تکثر بجز عروض ممکن نہیں۔ چنانچہ افراد کی تنزلِ نوعی ہونے سے اور
ارواح کے تنزلِ جنسی ہونے سے یہ بات ظاہر ہے کہ تنزل اور تکثر متلازم ہیں اور عروض

لہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے حسنِ انتظام کے پیشِ نظر ہر آسمان کا ایک الگ اور مستقل حاکم ہے، جیسے بالائی آسمان
والے چونکہ نچلے آسمانوں کے مکینوں پر حاکم ہیں اس لیے بالائی آسمان کا حاکم بھی نچلے آسمانوں کے حکام پر فضیلت و برتری کا حامل
ہوگا اور یہ سب اس کے ماتحت ہوں گے اسی طرح زمینوں کا معاملہ ہے۔ ہر زمین کا جدا حاکم ہے لیکن بالائی زمین والے چونکہ
نچلی زمینوں کے باشندوں سے افضل ہیں [illegible] لہٰذا بالائی زمین کا حاکم یعنی آپ بھی نچلی زمینوں کے حاکموں سے
افضل ہوں گے اور نچلی تمام زمینوں کے خاتم آپ کے ماتحت ہوں گے اور اسی طرح تمام زمینوں پر آپ ہی کی حکومت ہوگی۔ ۱۲

پر موقوف اور عروض کا قصہ آپ سُن ہی چکے ہیں کہ موصوف بالذات بالعرض پر جیسے باعتبار ظہور و نفوذِ احکام یعنی آثار حاکم ہوتا ہے، ایسے ہی باعتبارِ حکومت بھی حاکم ہونا چاہیئے۔ اس صورت میں کیفیتِ حال یہ ہوگی کہ ارواحِ سافلہ جو مرتبۂ تکثر میں پیدا ہوئی ہیں اور درجہ میں بھی نیچے ہیں، ارواحِ صغیرہ و حقیرہ ہوں، اور ارواحِ عالیہ جو درجہ میں عالی اور وحدت اور مبداء کی جانب ہیں ارواحِ کبیرہ و عظیمہ ہوں۔ غرض جب مجموعۂ حصص کو لیجئے تو ایک روحِ اعظم مثل ربّ النوع ہو، اور جُدا جُدا حصے کر دیکھئے تو روحِ صغیرہ پیدا ہو۔ سو جب مرتبۂ صغیرہ میں رُوحانیت ہے، چنانچہ افراد کے ملاحظہ سے ظاہر ہے تو مرتبہ عظمت میں روحانیت کیوں نہ ہوگی۔ کیونکہ وصفِ ذاتی حالتِ اجتماعِ حصص میں تو اور بھی زیادہ قوی ہوتا ہے۔ سو یہ اجتماعِ حصص اگر ہوتا ہے تو موصوف بالذات

ہی میں ہوتا ہے معروض میں نہیں ہوتا۔ کسی صحن میں پورا نُور نہیں البتہ آفتاب میں سب حصے فراہم ہیں۔ اس لیے مراتبِ فوقانی میں ارواحِ عظیمہ ہوں گی اور مراتبِ تحتانی میں ارواحِ صغیرہ اور اس وجہ سے فوق و تحت خارجی و ظاہری بھی ملحوظ رہنا چاہیئے تاکہ ظاہر و باطن متناسب رہیں۔ بالجملہ وحدتِ نوعی و تکثرِ افرادی اور پھر فرق فوق و تحت باعتبارِ قانونِ عدل و حکمت اگر درست ہو سکتا ہے تو یوں ہو سکتا ہے جس طرح سے عرض کیا کہ ارواحِ عالیہ ارواحِ سافلہ کے لیے کہ موصوف بالذات ہوں اور افضل ترین ملائکہ فلکِ ہفتم کوئی ایک ملک ہو جس کی رُوح منبع ارواحِ ملائکہ باقیہ فلکِ ہفتم بھی ہو اور منبعِ روحِ فردِ افضل ترین ملائکہ فلک ہشتم بھی ہو کر پھر اس کی رُوح منبع اور ارواحِ باقیہ فلکِ ششم اور فردِ اکمل ملائکہ فلکِ پنجم علیٰ ہذا القیاس، اور فردِ اکمل ملائکہ فلکِ ہفتم کا ملائکہ باقیہ فلکِ ہشتم کے لیے بھی منبع ہونا، اور فردِ اکمل ملائکہ فلکِ ششم کے لیے بھی منبع ہونا اور پھر اُن کا اُوپر ہونا اور فقط تابع ہونا۔ اور اس کا نیچے ہونا اور متبوع و منبع ملائکہ باقیہ فلکِ ششم بھی ہونا ایسا ہو جیسے آفتاب کا بہ نسبت آئینہ واقع فی الصحن اور بہ نسبت دھوپ سقف منبع ہونا ظاہر ہے۔ کہ دھوپ اُوپر ہے مگر چونکہ منبع النور نہیں، فقط تابع ہی ہے متبوع نہیں، اور آئینہ منوّر بایں نظر کہ در و دیوار

کے حق میں منبعِ نور بھی ہوگیا ہے تو اُن کے حق میں متبوع بھی ہے۔ مگر یہی صورت اس وقت باہم زمینوں کی بھی ہوگی۔

بالائی زمین والے زیریں زمین والوں پر حاکم ہیں

کہ ساتوں کی ساتوں آباد بھی ہوں گی اور اُوپر کی زمین کی فردِ اکمل یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ پاک جیسے ارواحِ انبیاء و مومنین کے لیے منبع ہوئی ایسے ہی فردِ اکمل زمینِ ثانی کے لیے منبع ہوگی اور اس کی روحِ پاک باقی اُس زمین کے اکان کے لیے بھی منبع ہوگی

اور فردِ اکمل زمین سوم کے لیے بھی منبع ہوگی علیٰ ہذا القیاس نیچے کی زمین تک خیال کرلو۔ اور اس تقریر سے یہ وہم بھی مرتفع ہوگیا کہ یہاں کا ہر ہر فرد حاکم و متبوع ہو اور اراضی ماتحت کے افراد مقابلہ و متناظرہ اپنے نظائر کے تابع بلکہ فقط فردِ اکمل کا متبوع ہونا اور ارضِ سافل کے فردِ اکمل کا اس کی نسبت اوّل تابع ہونا اور اس کے سبب افرادِ باقیہ کا تابع ہونا سمجھا جاتا ہے۔ مثال مطلوب ہے تو اوّل آفتاب اور آئینہ کے حال پر غور کیجئے۔ اُوپر کی دھوپیں ان دھوپوں کی اصل نہیں جو آئینۂ صحن سے پیدا ہوئے ہیں۔ دوسری دیکھئے۔ لاٹ لفٹیننٹ پر مثلاً حاکم پر اس کے اردلی کے لوگ اس کے اردلی کے حاکم نہیں۔ البتہ لاٹ بواسطہ لفٹیننٹ ان پر بھی حاکم ہے جیسے آفتاب بواسطہ آئینہ نیچے کی دھوپوں کا بھی مخدوم تھا۔ اس تقریر پر نیچے کی زمین سے سلسلۂ نبوت شروع ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُوپر وہ سلسلہ ختم ہوگا جیسے یہاں کی نبوت کا سلسلہ بھی آپ ہی پر اختتام پاتا ہے۔ اتنا فرق ہے کہ یہاں انبیاء باقیہ میں باہم نسبت حکومت و محکومی محض باشارۂ عقلی نہیں نکال سکتے" اور نیچے کی زمین سے جو سلسلہ شروع ہوا ہے اس میں باشارۂ عقلی ہم کہہ سکتے ہیں کہ دوسری زمین والے تیسری زمین والوں پر حاکم ہیں اور تیسری زمین والے چوتھی زمین والوں پر علیٰ ہذا القیاس۔ سو اس فرق کی تصحیح اگر مثال سے منظور ہے تو سنئے کہ ہم بادشاہ کو لاٹ پر اور لاٹ کو لفٹیننٹ پر حاکم تو

فقط اتنی ہی بات کے بھروسے سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو ان مراتب کا باہم فوق وتحت ہونا معلوم ہے پر لاٹ یا لفٹیننٹ کے محکمہ اور عملہ میں یہ حکم برابر جاری نہیں کر سکتے۔

نبوت کے دو سلسلے

غرض ایک سلسلۂ نبوت تو فوق وتحت میں واقع ہے اور باعتبار فرق مراتب مکانی اس کے فرق مراتب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور ایک سلسلۂ نبوت ماضی ومستقبل میں واقع ہے اور باعتبار فرق مراتب زمانی اس کے فرق مراتب کی طرف اطلاع کی گئی۔

عقلی تشریح: شرح اس کی یہ ہے کہ اہلِ فہم پر روشن ہے کہ زمانہ ایک حرکتِ ارادۂ خداوندی ہے اور یہی وجہ ہے کہ محققین صوفیہ کرام علیہم الرحمۃ تجددِ امثال کے قائل ہوئے کیونکہ حرکت میں مقولہ حرکت کا ایک فرد ہر آن میں جدا متحرک کو عارض ہوتا ہے والعاقل تکفیہ الاشارۃ۔ اور یہی وجہ ہے کہ زمانہ مقدارِ حرکت ہے۔ کیونکہ مقدار ہونے کے لیے تماثل اور تجانس ضرور ہے۔ خط کے لیے مقدار خط ہی ہو سکتا ہے، اور سطح کے لیے مقدارِ سطح اور جسم کے لیے مقدارِ جسم، یعنی وہ چیز جس سے کمی بیشی مساوات معلوم ہو، وہ ہم جنس ہی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خط کو سطح سے نہیں ناپ سکتے۔ اور اگر ناپ بھی لیتے ہیں تو اس کی ایک بعد سے جو از قسمِ خط ہی ہوتا ہے علیٰ ہذا القیاس اگر جسم کو سطح سے یا خط سے ناپیں تو اس کو بھی ایسا ہی سمجھو۔ بہر حال زمانہ ایک امتدادِ حرکتِ ارادۂ خداوندی ہے۔ اگر اندیشۂ تطویل نہ ہوتا تو انشاء اللہ اس بحث کو واشگاف کر دکھلاتا۔ پر کیا کیجیے ذکرِ استطرادی بقدرِ ضرورت ہی زیبا ہے۔ زیادہ نازیبا ہے۔ بس پر اہلِ فہم سے یہ امید ہے کہ فقط اشارہ ہی ان کو کافی ہو۔ مگر در صورتیکہ زمانہ کو حرکت کہا جاوے تو اس کے لیے کوئی مقصود بھی ہوگا جس کے آنے پر حرکت منتہی ہو جائے۔ سو حرکت سلسلۂ نبوت کے لیے نقطۂ ذاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم منتہی ہے۔ اور یہ نقطہ اس ساق زمانی اور اس ساق مکانی کے لیے ایسا ہے جیسا نقطہ راس زاویہ، تاکہ اشارہ شناسانِ حقیقت کو یہ معلوم ہو کہ آپ کی نبوت کون ومکان زمین وزمان کو شامل ہے۔

ایک شبہ :۔ رہا[1] یہ شبہ کہ زمانہ تو بعد ختمِ نبوت بھی باقی ہے۔ اگر حقیقتِ زمانہ حرکتِ مذکورہ ہے تو لازم آتا ہے کہ مقصود تک ابھی نہیں پہنچی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر نہ ہوں۔ کیونکہ مقصود مطلوب نہیں، جو منتہائے حرکتِ مذکورہ ہوگا، وہ ہی افضل ہوگا۔

شبہ کا ازالہ :۔ سو یہ شبہ قابل اس کے نہیں، کہ اہل فہم کو موجب تردد ہو۔ مگر بایں ہمہ دفعِ خلجان کے لیے یہ معروض ہے کہ ہر حادث زمانی کے لیے ایک عمر ہے کہ جس کی وجہ سے محققانِ صوفیۂ کرام ہر حادث میں قائلِ تجدد و امثال ہوئے۔ کیونکہ زمانہ ایک حرکت ہے۔ چنانچہ اس کا متجدد و غیر قارح الذات ہونا بھی اس کے مؤید ہے اس صورت میں مسافات متعددہ ہیں۔ اور حرکاتِ متعددہ منجملہ حرکات سلسلۂ نبوت بھی تھی۔ سو بوجہ حصولِ مقصودِ اعظم ذاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم وہ حرکت مبتدل بالسکون ہوئی۔ البتہ اور حرکتیں ابھی باقی ہیں، اور زمانۂ آخر میں آپ کے ظہور کی ایک یہ بھی وجہ ہے۔ غرض باعتبارِ زمانہ اگر شرف ہے تو زمانۂ مستقبل میں ہے کہ وہ طرف مقصود ہے اثر یہ کہ زمانۂ مستقبل فی حد ذاتہٖ اشرف ہے۔ اور باعتبارِ مکان جانب فوقانی تاکہ فوقیتِ مراتب پر دلالت کرے۔ باقی یہ[2] فرق کہ نبی آدم کا فر بھی

---

[1] کائنات کا مقصودِ اعظم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور قانون یہ ہے کہ کسی چیز کی حرکت اپنے مقصود پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے مبعوث ہونے پر زمانہ کی حرکت ختم ہو جانی چاہیئے حالانکہ یہ حرکت جاری ہے تو اسکا جواب حضرت نانوتویؒ یوں بیان فرماتے ہیں کہ حرکات مختلف ہیں۔ ان میں سے ایک حرکت ہے رسالت و نبوت کی، یہ حرکت حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی اور اپنے مقصودِ اعظم یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پہنچ کر ختم ہو گئی۔ اب یہ حرکت ختم ہو چکی ہے اور آپ کے بعد اس حرکت کا کوئی وجود نہیں کیونکہ اس کا مقصود حاصل ہو چکا ہے پس رسالت و نبوت آپ پر ختم ہو چکی ہے اس حرکت کے اجرا کا قائل صریح اور قطعی کافر ہے۔ البتہ زمانہ کی باقی حرکات باقی ہیں مثلاً انسانوں کی پیدائش، جمادات و نباتات کی تخلیق وغیرہ۔ [2] یہاں سے حضرت نانوتویؒ ایک اعتراض کو ذکر فرماتے ہیں کہ زمین اور آسمان کے درمیان مشابہت ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ آسمان پر فرشتے یا ارواحِ مقدسہ ہی بستے ہیں جب کہ زمین پر کافر، مومن، فرشتے بلکہ ہر قسم کی مخلوق رہتی ہے۔ نیز آسمانوں پر فرشتوں کی کثرت ہے بہ نسبت ساکنانِ زمین کے لہٰذا ان میں کوئی مماثلت اور مشابہت نہیں ہو سکتی۔ ۱۲

ہوتے ہیں اور ملائکہ کافر نہیں ہوتے یا ملائکہ تعداد میں زیادہ ہیں اور بنی آدم کم۔ سو اس کا
جواب یہ ہے کہ یہ فرقِ اطلاق مماثلت میں قادح نہیں۔ یہ جو راقم سطور نے عرض کیا تھا کہ
وہ تباین جو مقتضاءِ اختلافِ ماہیتِ ارض وسما اور لوازمِ ماہیتِ ارض وسما یا مناسباتِ
ماہیتِ ارض وسما میں سے ہو، ملحوظ کر کے پھر تماثل دیکھنا چاہیئے۔ سو جیسے عظمتِ سماوات اور
صغرِ ارضین تشخصات وتعیناتِ ارض وسما میں داخل ہے، اور یہ اختلاف اس اختلافِ
مفہوم ہی میں آگیا۔ ایسے ہی بوجہ مناسبت، اختلافِ مقادیرِ سکان بھی ضرور ہے۔ بلکہ اس
صورت میں اگر یہاں کے سکان کو وہاں کے سکان کے ساتھ وہی نسبت ہو جو یہاں کی
مقدار کو وہاں کی مقدار کے ساتھ ہر زمین کو اپنے مقابل کے ساتھ ہو، تو عجب نہیں، اور اس
صورت میں ممکن ہے کہ ساتویں زمین میں بہشتی ہوں، اور وہ زمین اس زمین سے ایسی
چھوٹی ہو، جیسے ساتویں آسمان سے یہ آسمان چھوٹا ہے۔ اور اگر سماوات سب برابر ہیں تو
زمینیں بھی سب برابر ہوں۔ رہا فرقِ اسلام وکفر، بناء اس فرق کی اختلافِ لوازمِ ذاتی اور
اختلافِ مناسباتِ ذاتی پر ہے۔

یہ علمِ تناسب نہایت درجہ کا علمِ غامض ہے۔ علمِ کامل تناسب تو خدا ہی کو ہے
سو اس کے انبیاء اور صدیقین کو جو ثمار بنی آدم اور مصداق وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ
أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ہوتے ہیں۔ کچھ ہو تو ہو دیکھئے موافق آیت أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ
اور نیز بمقتضاء اس حکم وعدلِ فخیم جس کا ہونا خدا کی ذات پاک میں مثل توحید یقینی ہے۔
یہ ضرور ہے کہ گیہوں کو اس کے مناسب برگ وبار، اور جَو کو اس کے مناسب، انگور کو
اس کے مناسب، کھجور کو اس کے مناسب، روحِ انسانی کو اس کے مناسب، بدن اور
روحِ حماری کو اس کے مناسب عطا ہو۔ لیکن قبل مشاہدہ عطیات ہر نوع ایسا کوئی عاقل
سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ بتلادے کہ گیہوں کے ایسے شاخ وبرگ وبار ہوں گے اور جَو کے ایسے
اور انسان کا ایسا بدن ہوگا، اور حمار کا ایسا۔ غرض تناسب ومناسبتِ یقینی پر وجہ مناسبت
وتناسب معلوم نہیں۔ علم الیقین عین الیقین جب بنے کہ ہم اندھوں کو وہ دیدۂ بصیرت

عنایت ہو جس سے یہ فرق ایسا نمایاں ہو جائے جیسا اندھوں کو بعد بینا ہونے کے یہ بات
معلوم ہو جاتی ہے کہ لال رضائی پر سبز گوٹ اور سبز رضائی پر لال گوٹ جچتی ہے، سوا
اس کے اور گوٹ زیبا نہ ہوگی۔ بالجملہ جس چیز کو خدا نے کسی چیز کے ساتھ جوڑ دیا ہے یا مقابل
ہی رکھا، خالی کسی تناسب سے نہیں۔ جب یہ بات معلوم ہو گئی تو اب سنیے کہ تشبیہ نسبت
یہ نسبت جب ہی معلوم ہو سکتی ہے جب دو چیزوں کا پہلے تناسب جدا جدا معلوم ہو، اور
دو چیزوں کا جدا، مثلاً دو کو چار کے ساتھ وہ نسبت ہے جو ہزار کو دو ہزار کے ساتھ۔ ظاہر ہے
کہ اس تشابہ نسبت کا یقین بطور عین الیقین یا حق الیقین جب ہی متصور ہے کہ دو اور چار کا
تناصف بھی معلوم ہو اور ہزار، دو ہزار کا تناصف بھی معلوم ہو۔

الغرض تشبیہ نسبت یہ نسبت وحدتِ نوعِ نسبت کو مقتضی ہے اور علم تشبیہ
مذکور علم نوعِ مذکور کو ______ اور ظاہر ہے کہ وہ مماثلت جو لفظ مثلھن سے بین السموات
والارض مفہوم ہے تشبیہ نسبت ہے جس کو تشبیہ مرکب کہیے۔ تشبیہ مفرد بہ مفرد نہیں
______ ورنہ زمین کو آسمان سے کیا مناسبت اور کیا مشابہت، اور اگر ہو بھی کوئی مناسبت
اور ظاہر ہے کہ کوئی نہیں۔

آیہ میں تشبیہ نسبت ہے نہ کہ تشبیہ مفرد

تو ہمیں کیا آیت اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَھُنَّ میں
بالیقین تشبیہ نسبت ہے۔ اس لیے کہ اگر نفس عدد میں مماثلت ہوگی تب
یہ معنی ہوں گے کہ اس مجموعہ کے اجزاء کو باعتبار کم منفصل اس مجموعے سے وہ نسبت ہے
جو اس مجموعہ کے اجزاء کو اس مجموعے کے اجزاء سے۔ اور اہل فہم جانتے ہیں کہ یہ تاویل نہیں
کہ دھینگا دھینگی تشبیہ مفرد کو مرکب بنا لینا ہے بلکہ یوں کہیے کہ بتاویل مفرد بنا لیتے
ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جملہ بتاویل مفرد ہو سکتا ہے، پر مفرد میں تاویل جملہ ممکن نہیں۔
سو کیوں نہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ کثیر حقیقی کو تو بوسیلہ ہیئت اجتماعی واحد بنا سکتے ہیں،
پر واحد حقیقی کو کسی طرح کثیر حقیقی نہیں بنا سکتے۔ سو یہاں دیکھ لیجیے کہ کیا ہے۔ واحد حقیقی

ہے یا کثیر حقیقی، نہ عدد میں وحدت ہے نہ معدود میں۔ اور باعتبار ہیئت، اجتماعی وحدت ہو بھی، تو وہ مقصود بالذات بالارادہ نہیں۔ البتہ عنوان مشبہ بہ اور عنوان مشبہ لے ورنہ اوّل تو من الارض مثلھن نہ فرماتے، سبع ارضین فرماتے جس میں لفظ کم ہو جاتے معنی واضح ہو جاتے۔ کنایہ سے بہر حال صراحت میں زیادہ وضاحت ہوتی ہے۔ باقی اس لفظ میں کوئی اور خوبی زیادہ نہیں۔ مبالغہ فی عدد السبع مقصود نہیں جو یوں ہی کہیے الکنایۃ ابلغ من الصراحۃ سوا مماثلت فی العدد کہئے تو کلام از قبیل المعنی فی بطن الشاعر ہو جائے ذات وصفات کی بحث نہیں کہ الفاظ مستعملہ میں سے سوا اس لفظ کے اور معنی مقصود میں کام نہ دے۔ ہاں اگر مساوات فی المقادیر ہوتی تو البتہ محل اس لفظ کے لیے بہت عمدہ تھا۔ دوسرے یہ تشبیہ نسبت اور علاوہ اس کے اور مناسبتیں اور مماثلتیں جو مذکور ہو چکیں اس طرح سے ہرگز برابر راست نہ آتیں۔

تشبیہ نسبت میں مشابہت طرفین ضروری نہیں

بالجملہ یہاں تشبیہ نسبت مقصود بالذات ہے اور ظاہر ہے کہ تشبیہ نسبت میں مشابہت اور مناسبت طرفین علاوہ نسبت مذکورہ ہرگز ضرور نہیں بلکہ ممکن ہے کہ غایت درجہ کا بون بعید ہو۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی ان نسبتوں کو جو مخلوق کے ساتھ حاصل ہیں ان نسبتوں کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے جو مخلوق کو مخلوق کے ساتھ ہوتی ہے۔

تشبیہ نسبت کی مثالیں قرآن مجید میں

مثلاً فرماتے ہیں ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِنْ اَنْفُسِكُمْ هَلْ لَكُمْ مِنْ مَا

لے تشبیہ نسبت یہاں مقصود ہے اور ایسی تشبیہ میں صرف ایک نسبت کو دوسری نسبت کے ساتھ تشبیہ دینی مقصود ہوتی ہے۔ اس کے سوا طرفین میں مشابہت اور مناسبت مقصود نہیں ہوتی۔ اسی لیے تشبیہ نسبت مخلوق اور خالق میں پائی جاتی ہے۔ حالانکہ طرفین میں یعنی مخلوق اور خالق کے درمیان مشابہت اور مناسبت کا نام تک نہیں۔ ۱۲

مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ مِّنْ شُرَکَآءَ فِیْمَا رَزَقْنٰکُمْ فَاَنْتُمْ فِیْہِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَہُمْ کَخِیْفَتِکُمْ اَنْفُسَکُمْ۔ یا فرماتے ہیں اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْہَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُہَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ۔

علیٰ ہٰذا القیاس اور بہت جا تشبیہ نسبت مراد ہے تشبیہ مفرد نہیں اور اس صورت میں ہرگز نہ کسی طرح کا تجوز ہے نہ کسی طرح کی تاویل بلکہ جیسے دو دریوں کو چار دریوں کے ساتھ وہ نسبت ہے جو دو پہاڑوں کو چار پہاڑوں کے ساتھ یا ہزار جوتوں کو دو ہزار جوتوں کے ساتھ، یا لوگارثم کے سلسلہ کو اپنے مقابل کے سلسلہ کے ساتھ یا مجذورات اعداد مرتبہ من الواحد الی غیر النہایۃ کو اعداد مرتبہ کے ساتھ ہے، اور اس تشبیہ میں باوجودیکہ طرفین نسبتین میں کچھ مناسبت ہی نہیں، ہرگز کچھ مجاز نہیں، بلکہ تشبیہ اپنے معنی حقیقی پر ہے، ایسی ہی طرح آیۃ اَللّٰہُ الَّذِیْ میں خیال فرمایئے، اس صورت میں ہو سکتا ہے۔

آسمانی اور زمینی مخلوق میں مناسبت

اگر ترکیبات روحانی وجسمانی بنی آدم اور حیوانِ ارضی وغیرہ کو ترکیباتِ روحانی وجسمانی ملائکہ افلاک کے ساتھ وہی نسبت ہو جو زمین کو فلک کے ساتھ اور یہ فرق کفر و اسلام نیرنگیٔ تراکیب مختلفہ سے پیدا ہوا ہو تو توضیح کی ضرورت ہو تو دیکھئے۔[1]

انسانی جسم کے عناصر اربعہ

جیسے اجسام بنی آدم میں ترکیب عناصر ہے اور اس ترکیب کو بوجہ مشاہدہ رطوبت یبوست حرارت برودت

---

[1] کفر و اسلام کا فرق تراکیب مختلفہ کی پیداوار ہے جیسے عناصر اربعہ کی کمی بیشی سے اجسام کی ساخت میں فرق پڑتا ہے اور مختلف اشکال و امزاج کے جسم وجود پذیر ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح ارواح کے عناصر اربعہ کی کمی بیشی سے بھی مختلف المزاج روحیں بنتی ہیں۔ کوئی کفر کو پسند کرتی ہے اور کسی روح کو اسلام سے دلچسپی ہوتی ہے اور اسی وجہ سے روحانی طور پر بے شمار اقسام پائے جاتے ہیں۔ ۱۲

خواص اربعہ عناصر اربعہ دریافت کیا ہے کیونکہ خاصہ کا وجود اپنے ملزوم اور مخصوص بہ کے وجود پر دلالت کرتا ہے ایسے ہی بوسلۂ خواص اربعہ یوں سمجھ میں آتا ہے۔

انسانی رُوح کے عناصرِ اربعہ کہ ارواحِ بنی آدم میں بھی چار عنصر سے ترکیب دی ہے وہ خواص اربعہ کیا ہیں۔ ایک تو مضمون استکبار تھوڑا بہت سب میں مشہور ہے۔ دوسرا مضمون خواہش، تیسرا مضمون تاثر اور انفعال بھی قلیل وکثیر سب میں ہے، چوتھا استقلال۔ علیٰ ہٰذا القیاس غصہ اور رشک حرکتی اور نرمی اور کسل بھی سب میں نظر آتی ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس مضمونِ عصیان و انقیاد و نسیان و خطا بھی سب میں موجود ہے۔ یہ بارہ چیزیں جو مذکور ہوئیں، ان میں جن چار کو آتش و باد و آب و خاک کے ساتھ ایک مناسبت ہے اہلِ فہم خود سمجھ لیں گے۔ بایں ہمہ جیسے اختلافِ مقادیرِ عناصر سے فرق حرارت و برودت و رطوبت و یبوست امزجۂ بنی آدم پیدا ہوتا ہے ایسے ہی فرقِ مقادیرِ ملزوماتِ خواصِ مذکورہ سے امزجۂ روحانی میں عجیب عجیب ترکیبیں ظاہر ہوتی ہیں، جن میں سے ایک مزاج کفر یا اسلام بھی ہے۔ مگر باوجود مناسبت مذکورہ جو عناصرِ جسمانی اور عناصرِ رُوحانی میں مذکور ہوئی، تراکیبِ رُوحانی میں تو کفر و اسلام حاصل ہوتا ہے، پر تراکیبِ جسمانی میں حاصل نہیں ہوتا۔ سو اسی طرح اگر تناسب بین الملائکہ و بنی آدم محفوظ ہے اور یہاں فرق کفر و اسلام نمایاں ہو، وہاں نہ ہو، تو کونسی ایسی محال یا دشوار بات ہے جس کی وجہ سے اطلاقِ مماثلتِ سما۔ وارض میں متامل ہو جیے۔ بالجملہ مماثلت بین السماء والارض بجمیع الوجوہ ہے، اور یہ فرق امزجۂ ملائکۂ رحمت و ملائکۂ عذاب و ملائکۂ جنت و ملائکۂ دوزخ و ملائکہ متعینہ نفخ ارواح و ملائکہ متعینہ قبض ارواح اس تناسب کی تصحیح کے لیے کافی ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

آمدن برسرِ مطلب:۔ جب ان اوہام کی مدافعت سے فراغت پائی تو مناسب یوں ہے کہ

نہ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ الآیۃ اس آیت میں زمینوں کو آسمانوں کا مماثل اور مشابہ قرار دیا گیا ہے حضرت نانوتویؒ اس تشبیہ و مماثلت کی وضاحت کرتے ہیں، اور اس سے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ثابت کرتے ہیں ۱۲۔

پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کیجیے۔ ناظرین اوراق جب یہ بات سمجھ گئے ہیں کہ تشبیہ متضمن آیت
اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ تشبیہ نسبت ہے تشبیہ
مفرد نہیں جو تساوی مقادیر اجرام و مافیہا لازم آئے تو یہ بات بھی سمجھ میں آگئی ہوگی۔

زمین اول کے فرد اکمل کی نسبت باقی زمینوں کے باشندوں سے

کہ اگر بطور تشبیہ یوں کہا جائے کہ فرد اکمل فلک
ہفتم کو افراد باقیہ فلک مذکور کے ساتھ وہ نسبت ہے جو فرد اکمل فلک ششم کو اس کے افراد
باقیہ کے ساتھ یا فرد اکمل زمین ہذا یعنی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو فرد اکمل زمین دوم
سے اس طرح تشبیہ دیں اور مراد یہ ہو کہ آپ کو حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم،
حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے ساتھ مثلاً وہ نسبت ہے جو فرد اکمل زمین دوم کو
حضرت آدم وغیرہم علیہم السلام کے مقابل کے افراد زمین دوم کے ساتھ، اور اسی طرح اور
افلاک اور اراضی باقیہ میں سمجھ لو۔ تو محبان نبوی جو فہم خداداد بھی رکھتے ہیں متامل تو کیا ہوں گے،
برضا و رغبت اس مضمون کو قبول کریں گے کیونکہ قطع نظر اشارہ حسن انتظام خداوندی در
دلالت آیت اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ الخ اس صورت میں عظمت شان نبوی
صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر ہے۔ اگر ہفت زمین کو بطور مذکور بہ ترتیب فوق و تحت نہ مانئے
تو پھر عظمت شان محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) بہ نسبت اس قدر عظمت کے جو در صورت تسلیم
اراضی ہفتگانہ بطور مذکور لازم آتی تھی، چھ گنی کم ہو جائے گی۔ ظاہر ہے کہ بادشاہ ہفت
اقلیم کو اگر کوئی نادان فقط اسی اقلیم کا بادشاہ سمجھے جس میں وہ رونق افروز ہے تو یوں
کہو اس کی عظمت کے چھ حصے گھٹا دیے فقط ایک ہی پر قناعت کی۔ غرض خاتم ہونا
ایک امر اضافی ہے بے مضاف علیہ متحقق نہیں ہو سکتا۔ سو جس قدر اس کے مضاف
الیہ ہوں گے، اسی قدر خاتمیت کو افزائش ہوگی۔ جیسے بادشاہت ایک امر اضافی ہے
محکوموں اور رعیت کی افزائش پر اس کی ترقی اور عظمت موقوف ہے۔ مگر ہاں کوئی
نادان آج کل کے نوابوں کو دیکھ کر دھوکا کھائے اور کہے کہ جیسے آج کے نواب بے ملک

ہیں ایسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت اور ابنیاء کی محتاج نہیں، جو اس کی ترقی اور افزائش کے لیے نبیوں کی تکثیر کی ضرورت ہو۔ بالجملہ کوئی نادان یا کوئی منافق ایسی باتوں کی تسلیم میں متامل ہو۔ تو اہل فہم اور اہلِ محبت کو تو تامل نہیں ہو سکتا۔

لہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ اثر سنداً صحیح ہے اور اس کے ثبوت میں سند کے اعتبار سے کوئی شبہ نہیں۔ اس لیے اس کی تغلیط محدثین کی تغلیط اور حضرت عبداللہ بن عباس کی تغلیط ہوگی۔ نیز محدثین کا قاعدہ ہے کہ جو موقوف روایت غیر عقلی معاملہ میں وارد ہو وہ حکماً مرفوع ہوتی ہے۔ گویا صحابی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یہ بات بیان کی ہے تو اب ایسی بات کو غلط کہنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تغلیط ہوگی۔ (معاذ اللہ من ذالک) پھر یہ معاملہ یہاں تک ہی نہیں رہتا بلکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی گستاخی اور توہین کا ارتکاب لازم آتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ کے تحت وہی کچھ بیان کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشاد ہوتا ہے۔ لہٰذا اس اثر کی تغلیط کا وہی ارتکاب کر سکتا ہے جو علم حدیث سے بالکل کورا ہو، اور ابلیس لعین کا خاص مرید ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس گستاخی سے بچائے۔ اخبار آحاد صحیحہ پر اکثر و بیشتر احکام اسلامیہ مبنی ہیں، اگر خبرِ واحد کی تغلیط کی رسم اپنالی جائے تو علماء کرام جانتے ہیں کہ دینِ اسلام کا اکثر حصہ از خود ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ محدثین کا یہ بھی قاعدہ ہے کہ جس حدیث کا مضمون کسی دوسری حدیث سے ثابت ہو یا قرآن مجید سے عبارۃ النص یا دلالۃ النص یا اشارۃ النص کے ساتھ ثابت ہو، تو وہ حدیث خواہ سنداً کمزور ہو پھر بھی صحیح کہلائے گی۔ اس اثر مذکور کا مضمون دوسری احادیث اور قرآن مجید دونوں سے ثابت ہے۔ پس اس اثر کو غلط کہنا کب اور کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر کوئی گستاخ اور جاہل ایسا کرنے کی جرأت کرے تو اس کا کیا علاج۔ ان ہی قباحتوں کو دیکھتے ہوئے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اثر کو صحیح تسلیم کیا اور آیت خاتم النبیین کا معنیٰ ایسا عام کر دیا، کہ معنیٰ اجماعی ختمِ نبوت زمانی بھی اس میں برقرار رہا اور اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ فضیلت بھی اس آیت خاتم النبیین سے ثابت ہو گئی رہی یہ بات کہ قرآن و حدیث کے الفاظ میں اصول و فروعات کو برقرار رکھتے ہوئے عربی گرامر کے تحت تعمیم پیدا کرنا جمہور ائمہ فقہ کے نزدیک مسلّم ہی نہیں بلکہ مروّج ہے اور اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جو ائمہ اربعہ کی فقہ کو نہ صرف غلط کہتا ہے بلکہ اُسے تحریفِ دین قرار دیتا ہے ورنہ فقہاءِ اُمت کا استخراج اسی اصول پر مبنی ہے۔

یہ مسئلہ قطعی نہیں

ہاں بوجہ عدم ثبوت قطعی نہ کسی کو تکلیفِ عقیدہ دے سکتے ہیں نہ کسی کو بوجہ انکار کافر کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس قسم کے استنباط امت کے حق میں مفید یقین نہیں ہو سکتے۔ احتمالِ خطا باقی رہتا ہے۔ البتہ تصریحات قطعی الثبوت تو پھر تکلیفِ مذکور اور تکفیرِ مسطور دونوں بجا۔ سو یہاں ایسی تصریحات درجۂ قطعیت کو نہیں پہنچیں۔ یعنی نہ کلام اللہ میں ایسی تصریح ہے نہ کسی حدیثِ متواتر میں۔

حضرت ابن عباسؓ کے اثر کی تحقیق

البتہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک اثر منقول ہے جو درجۂ تواتر تک نہیں پہنچا، نہ اس کے مضمون پر اجماع منعقد ہوا۔ اس لیے تکلیفِ اعتقاد اور تکفیرِ منکران تو مناسب نہیں پر ایسے آثار کا انکار خصوصاً جب کہ ارشاداتِ کلامِ ربانی بھی اسی طرف ہو، خالی ابتداع سے نہیں ایسی باتوں کا منکر پورا اہلِ سنت و جماعت تو نہیں کیونکہ آئمہ حدیث نے اس کی تصیحح کی ہے، اور جس نے اس کو شاذ کہا ہے جیسے امام بیہقی، تو انہوں نے صحیح کہہ کے شاذ کہا ہے، اور اس طرح سے شاذ کہنا مطاعن حدیث میں سے نہیں سمجھا جاتا۔

کما قال سید الشریف فی رسالتہ فی اصول الحدیث۔ قال الشافعی الشاذ ما رواہ الثقة مخالفا لما رواہ الناس قال ابن الصلاح فیہ تفصیل فما خالف مفردہ واحفظ منہ واضبط فشاذ ومردود وان لم یخالف وھو عدل ضابط فصحیح وان رواہ غیر ضابط لکن لا یبعد عن درجة الضابط فحسن وان یعد فمنکر۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ شاذ کے دو معنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ روایت ثقہ مخالف روایتِ ثقات ہو۔ دوسرے یہ کہ اس کا راوی فقط ایک ہی ثقہ ہو۔ سو یہاں معنیٰ اخیر منجملہ اقسام صحیح ہے نہ ضدِ صحیح۔ چنانچہ شیخ عبدالحق دہلویؒ فرماتے ہیں۔

قال الشیخ عبد الحق المحدث الدھلوی فی رسالتہ اصول الحدیث۔ التی طبعھا مولانا احمد علی فی اول المشکوٰة المطبوعة بعض

الناس يفسرون الشاذة بمفرد الراوی من غیر اعتبار مخالفة الثقات کما سبق و یقولون صحیح شاذ وصحیح غیر شاذ فالشذوذ بهذا المعنی ایضا لاینافی الصحة کالغرابة والذی یذکر فی مقام الطعن هو مخالف الثقات۔ انتہی

یہ عبارت بعینہٖ وہی کہتی ہے جو میں نے عرض کیا۔ سو لفظ شاذ سے کوئی صاحب دھوکہ نہ کھائیں اور یہ نہ سمجھیں کہ جب اثر مذکور شاذ ہوا، تو صحیح کیونکر ہوسکتا ہے۔ وہ شذوذ جو قادح صحت ہے بمعنی مخالفت ثقات ہے۔ چنانچہ سید شریف ہی رسالہ مذکور میں تعریفِ صحیح میں یہ فرماتے ہیں۔

هو ما اتصل سنده بنقل العدل الضابط عن مثله وسلم عن شذوذ وعلة ونعنی بالمتصل ما لم یکن مقطوعا بای وجه کان وبالعدل من لم یکن مستور العدالة ولا مجروحا وبالضابط من یکون حافظا متیقظا وبالشذوذ ما یرویه الثقة مخالفاً لما یرویه الناس وبالعلة ما فیه اسباب خفیة غامضة قادحة

اس تقریر سے اہلِ علم پہ روشن ہوگیا ہوگا کہ شذوذ بمعنی مخالفتِ ثقات مراد نہیں کیونکہ شذوذ بمعنی مخالفت ثقات صحت کے لیے مضر ہے جو حدیث بایں معنی شاذ ہے وہ صحیح نہیں ہوسکتی۔ بایں ہمہ مخالفت وعدمِ مخالفت کا عقدہ بھی تقریر گذشتہ سے کھل گیا۔ اگر اثر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ مخالف تھا تو جملہ خاتم النبیین کے مخالف تھا۔ یا ان احادیث کے معارض تھا جو مبینِ اور مفسرِ معنی خاتم النبیین ہیں۔ سو بعد مطالعہ تقریر گذشتہ اہلِ فہم کو تو انشاء اللہ کچھ تردد نہ رہے گا کہ اثر مذکور موید مثبت معنی خاتم النبیین ہے نہ مخالف۔ بلکہ اثر مذکور کا غلط ہونا البتہ ثبوتِ خاتمیت میں بہت قادح ہے کیوں نہ ہو، درصورت انکار اثر معلوم خاتمیت کے سات حصوں میں سے ایک ہی حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ اس صورت میں محبانِ محبت نبویؐ سے ہم کو یہ توقع ہے کہ جیسا اس اثر کا انکار کرتے تھے، اب اتنا ہی اقرار

کریں بلکہ اس سے بڑھ کر انکار میں تو تکذیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی کھٹکا تھا اقرار
میں کچھ اندیشہ ہی نہیں بلکہ سات زمینوں کی جگہ اگر لاکھ دو لاکھ اوپر نیچے اسی طرح اور زمینیں
تسلیم کرلیں تو ہیں ذمہ نشین ہوں کہ انکار سے زیادہ اس اقرار میں کچھ دقت نہ ہوگی۔ نہ کسی
آیت کا تعارض، نہ کسی حدیث سے معارضہ۔ رہا اثر معلوم اس میں سات سے زیادہ کی
نفی نہیں، سو جب انکار اثر مذکور میں باوجود تصحیح ائمہ حدیث یہ جرأت ہے تو اقرار
اراضی زائدہ از سبع میں تو کچھ ڈر ہی نہیں۔ علاوہ بریں بر تقدیر خاتمیت زمانی انکار اثر
مذکور میں قدر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کچھ افزائش نہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر ایک شہر آباد ہو اور اس
کا ایک شخص حاکم ہو یا سب میں افضل تو بعد اس کے کہ اس شہر کے برابر دوسرا ویسا ہی شہر آباد
کیا جائے اور اس میں بھی ایسا ہی ایک حاکم ہو یا سب میں افضل، تو اس شہر کی آبادی اور اس
کے حاکم کی حکومت یا اس کے فرد افضل کی افضلیت سے حاکم یا افضل شہر اول کی حکومت
یا افضلیت میں کچھ کمی نہ آجائے گی اور اگر درصورت تسلیم اور چھ زمینوں کے وہاں کے آدم
و نوح وغیرہم علیہم السلام یہاں کے آدم و نوح علیہم السلام وغیرہم سے زمانہ سابق میں ہوں
تو باوجود مماثلت کلی بھی آپ کی خاتمیت زمانی سے انکار نہ ہو سکے گا۔ جو وہاں کے محمد صلی
اللہ علیہ وسلم کے مساوات میں کچھ حجت کیجیے۔

حضورؐ کی افضلیت سب انبیاء سے

ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف نبوت لیجیے، جیسا اس ہیچمدان نے عرض کیا

لہ حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ میرا مختار اور پسندیدہ معنی تو یہ ہے کہ آیۃ خاتم النبیین میں خاتم کا معنی عام لیا جائے کہ کوئی آپ کے
مرتبہ کا نہیں اور نہ ہی آپ کے بعد کوئی نبی ہوگا اور آپ ہی کی نبوت ہر جگہ ہے۔ اس معنی کے مراد لینے سے تینوں قسم کی ختم نبوۃ
زمانی، مکانی اور رتبی اسی آیۃ سے ثابت ہو جائیگی۔ اگر آیۃ میں خاص معنی مراد لیا جائے تو ختم نبوت مرتبی مراد لینا ہی بہتر ہے
کیونکہ ختم نبوت زمانی سے آپکی فضیلت ثابت نہیں ہوتی اور اس صورت میں یہ امکان باقی رہتا ہے کہ آپکا ہم مرتبہ کوئی نبی ہو
فرق صرف اتنا ہے آپ سب کے بعد تشریف لائے ہیں محض پیچھے اور سب کے آخر آنے سے آپکی شان کا زالا پن ظاہر نہیں ہوتا۔
پس اس صورت میں آیۃ کا معنی یہ ہوگا کہ آپ تمام نبیوں سے مرتبہ کے لحاظ سے بلند ہیں اور کوئی آپکا مثل اور ہم مرتبہ نہیں۔ ۱۲

تو پھر سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کو افرادِ مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کی افرادِ خارجی ہی پر آپ کی افضلیت ثابت نہ ہوگی، افرادِ مقدرہ پر بھی آپ کی افضلیت ثابت ہو جائے گی۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔

بالجملہ ثبوت اثر مذکور دونا مثبتِ خاتمیت ہے، معارض و مخالف خاتم النبیین نہیں جو یوں کہا جائے کہ یہ اثر شاذ بمعنی مخالف روایت ثقات ہے اور اس سے یہ بھی واضح ہو گیا ہوگا کہ حسب مزعوم منکرانِ اثر اس اثر میں کوئی علتِ غامضہ بھی نہیں جو اسی راہ سے انکار صحت کیجئے کیونکہ اول تو امام بیہقی کا اس اثر کی نسبت صحیح کہنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں کوئی علتِ غامضہ خفیہ قادحہ فی الصحۃ نہیں۔ دوسرے شذوذ تھا تو یہی تھا کہ مخالف جملہ خاتم النبیین ہے اور علت تھی تب یہی تھی، اگر اور کوئی آیۃ یا حدیث ایسی ہوتی جس سے سات سے کم زیادہ زمینوں کا ہونا یا انبیاء کا کم و بیش ہونا یا نہ ہونا ثابت ہوتا، تو کہہ سکتے تھے کہ وجہِ شذوذ یہ ہے۔ مگر آج تک نہ کسی نے ایسی آیت و حدیث سنی نہ مدعیوں نے پیش کی۔ علی ہذا القیاس مضمونِ علتِ قادحہ کو خیال فرمایئے آج تک سوائے مخالفت مضمون مذکور کسی نے کوئی وجہ قادح فی الاثر المذکور پیش نہیں کی اور فقط احتمال بے دلیل اس باب میں کافی نہیں ورنہ بخاری و مسلم کی حدیثیں بھی اس حساب سے شاذ و معلل ہو جاویں گی۔ اور نیز یہ بھی واضح ہو گیا ہوگا کہ یہ تاویل کہ یہ اثر اسرائیلیات سے ماخوذ ہے یا انبیاء ارضی ماتحت سے مبلغانِ احکام مراد ہیں، ہرگز قابلِ التفات نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ باعث تاویلاتِ مذکورہ فقط یہی مخالفت خاتمیت تھی۔ جب مخالفت ہی نہیں تو ایسی تاویلیں کیوں کیجئے جن کو مدلول معنی مطابقی سے کچھ علاقہ ہی نہیں۔

دلیل کے ساتھ بڑوں کی رائے سے اختلاف جائز ہے

باقی رہی یہ بات کہ بڑوں کی تاویل کو نہ مانئے تو ان کی تحقیر نعوذ باللہ

لازم آئے گی۔ یہ انہی لوگوں کے خیال میں آسکتی ہے جو بڑوں کی بات از راہِ بے ادبی نہیں مانا کرتے۔ ایسے لوگ اگر ایسا سمجھیں تو بجا ہے۔ المرء یقیس علی نفسہٖ اپنا یہ وطیرہ نہیں۔ نقصان شان اور چیز ہے خطا اور نسیان اور چیز ہے۔ اگر بوجہ کم التفاتی بڑوں کا فہم کسی مضمون تک نہ پہنچا ہو تو ان کی شان میں کیا نقصان آگیا، اور کسی طفلِ نادان نے کوئی ٹھکانے کی بات کہہ دی، تو کیا اتنی بات سے وہ عظیم الشان ہو گیا۔

گاہ باشد کہ کودکے ناداں ۔۔۔ بغلط بر ہدف زند تیرے

محدثین کا اصول

ہاں بعد وضوحِ حق اگر فقط اس وجہ سے کہ یہ بات میں نے کہی اور وہ اگلے کہہ گئے تھے، میری نہ مانیں اور وہ پرانی بات گائے جائیں، تو قطع نظر اس کے قانونِ محبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات بہت بعید ہے، ویسے بھی اپنی عقل و فہم کی خوبی پر گواہی دیتی ہے پھر با ایں ہمہ یہ اثر اگرچہ بظاہر موقوف ہے مگر بالمعنیٰ مرفوع ہے اس لیے کہ صحابی کا بطور جزم ان امور کا بیان کرنا جن میں عقل کو دخل نہ ہو اہلِ حدیث کے نزدیک مرفوع ہوتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ صحابہ سب کے سب عدول اور پھر عدول بھی اول درجہ کے التقویٰ میں ایسے پکے کہ اوروں سے ان کی برابری نہیں ہو سکتی پھر یہ کب ہو سکتا ہے کہ عمداً جھوٹ بولیں اور وہ بھی دین کے مقدمہ میں۔ ہاں بطور احتمال جیسا کہ استنباط میں ہوا کرتا ہے۔ ایسی باتوں میں جن میں عقل کو مداخلت ہے دخل دے دینا ان سے ممکن ہے بلکہ واقع اور ان سے کیا تمام اکابر سے یہ بات منقول ہے۔ مگر اثر مذکور کا بطور جزم ہونا اور مضمون مذکور کا عقلیات میں سے نہ ہونا ظاہر و باہر ہے۔ سو جب اثر مذکور مرفوع ہوا، اور سند اس کی صحیح آیۃ مذکور اس کی مؤید، محبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف مائل، حسنِ انتظام جو ہر فرع میں مشہور ہے اس پر شاہد، عظمتِ قدرت اس پر دال، تس پر بھی انکار کیا جائے تو بجز اس کے کیا کہا جائے کہ امثال روافض و خوارج و اہلِ اعتزال ایسی باتیں کیا کرتے ہیں۔ ان فرقوں نے بھی بوجہ قصورِ فہم آیات ذاتِ رؤیت و تقدیر و خلقِ افعال میں تاویلیں کیں اور احادیثِ مصرحہ مضامینِ مذکورہ کو تسلیم نہ کیا۔ بلکہ تکذیب سے پیش آئے، سو

جیسے آیاتِ مذکورہ کی تاویلوں اور احادیثِ مذکورہ کی تخریجوں کے باعث اہلِ حق نے اُن کو اہلِ سنت وجماعت سے خارج سمجھا ایسے ہی منکرِ اثرِ مذکور کو بھی سمجھنا چاہیے۔ اتنا فرق ہے کہ احادیثِ رویت وغیرہ اثرِ مذکور سے صحت میں اقویٰ تھیں، اور آیاتِ مذکورہ دلالت مذکورہ میں آیت اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ سے جو اطلاقِ مماثلت پر دلالت کرتی ہے، زیادہ اس لیے وہ بڑے بدعتی ہوں گے یہ چھوٹے مگر ہرچہ بادا باد رشتی ہونا دونوں کا معلوم، خاص کر جب یہ دیکھا جائے کہ اگر آیاتِ رویت کی دلالت اَللّٰہُ الَّذِیْ کی دلالت سے زیادہ واضح اور احادیثِ رویت وغیرہ کی صحت اثرِ مذکور کی صحت سے زیادہ قوی، تو کیا ہوا۔ جیسے یہ فرق اس طرف سے ہے، مزاحمتِ خیالاتِ عقلی میں قصہ اُلٹا ہے یعنی رویت وغیرہ کے تسلیم کرنے سے بظاہر قوی قوی دلائل مانع ہیں اور ہر زمین میں آدم ونوح وغیرہم علیہم السلام کے تسلیم کرنے سے کوئی دلیل مانع نہیں۔

علمِ ہیئت ظنی ہے

باقی خیالاتِ[1] اہلِ ہیئت اگر مزاحمِ تصدیقِ اصل الاصول مضمونِ مذکور ہیں جانچہ وجودِ انبیاء مذکورین تو اوّل تو اس باب میں تنہا اثرِ مذکور ہی نہیں بلکہ آیتِ مذکورہ اس باب میں قریب نص کے ہے۔ دوسری وہ حدیث جو بروایت ابی ہریرہؓ وحوالہ مشکوٰۃ بلفظہ اوپر منقول ہو چکی ہے اس کی معاضد، ادھر خیالاتِ اہلِ ہیئت ظنی، خود اہلِ ہیئت اس کے ظنی ہونے کے قائل اور اُن کے دلائل کا آتی ہونا ظاہر۔ سو اگر کسی وہمی کو یہ وہم دامن گیر بھی ہو کہ اس صورت میں افلاک باہم متصل نہ رہیں گے، مرکزِ زمین مرکزِ عالم پر منطبق نہ رہے گا تو اس کو اتنا کہہ دینا چاہیے کہ وہ خیالات جو ہزار طرح سے صحیح ہو سکتے ہیں۔ انہی احتمالات پر جو مذکور ہوئے موقوف نہ ہوں، معارضِ قولِ مخبرِ صادق نہیں ہو سکتے۔

ہیئت دانوں کا آپس میں اختلاف

اگر اطمینان منظور ہے تو دیکھ لیجیے بطلیموسی کیا کہتے ہیں اور فیثاغورسی کیا یونانی کیا بکتے ہیں اور انگریز

---

[1] زمینیں سات تسلیم کرنے سے محض بطلیموس کا علمِ ہیئت مانع ہے، اور کوئی شرعی دلیل اس راہ میں رکاوٹ نہیں، بلکہ دلائلِ شرعیہ تو سات زمینوں کا اثبات پیش کرتی ہیں۔ ۱۲

کیا۔ بایں ہمہ حسابِ طلوع و غروب خسوف و کسوف وصیف وشتا وغیرہ سب برابر صحیح۔ جب باہم اہل
ہیئت ہی میں یہ اختلاف ہے اور مقصد برابر حاصل، تو پھر ان خیالات کے بھروسے انکار
قولِ مخبرِ صادق کرنا نہایت نازیبا ہے۔ اہلِ ہیئت مجسمہ جو شمس و قمر وغیرہ کو متحرک مانتے ہیں
اور زمین کو ساکن، آخر بضرورتِ تصحیح حسابِ حرکات اکثر افلاک میں خارج المرکز مانتے
ہیں، اور جو برعکس کہتے ہیں وہ زمین کے مدار کو بیضوی کہتے ہیں۔ سو اگر باعتماد شارع مخبرِ صادق
زمین کو خارج المرکز کہہ لیا تو کیا گناہ ہے بلکہ اس طرف خارج المرکز نہ مانئے اور اس طرف
خروجِ مرکز مان لیجئے تو بعد تسلیم بعض مقدمات جب بھی تصحیح حسابِ مذکور ممکن ہے۔ اتنا فرق
کہ کسی نے یوں ہی اٹکل کے تیر مارے، کسی نے دیکھنے والوں کی زبانی کہا۔ خیر یہ بات تو دور جا پڑی۔

حدیث میں تشبیہِ نسبت مراد ہے

اثر مذکور کے الفاظ اس کے قریب ہیں۔ فی کل ارض آدم کآدمکم ونوح کنوحکم
وابراھیم کابراھیمکم وعیسیٰ کعیسٰکم ونبی کنبیکم۔ جملۂ اخیر
سے صاف روشن ہے کہ تشبیہ فی التسمیہ مراد نہیں، تشبیہ فی المرتبہ مراد ہے۔ سو آدم کآدمکم کا
نام لے کر تشبیہ دینی ایسی ہے جیسے عربی میں کہا کرتے ہیں لکل فرعون موسیٰ۔ یا اردو
میں کہتے ہیں، فلانے کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ غرض جیسے یہاں نام مذکور ہے، اور غرض مرتبہ
و مقامِ اسمی سے ہے ایسے ہی اثر مذکور میں بھی خیال فرمائیے کہ تشبیہ فی المرتبہ یعنی فی النسبۃ مراد
ہے۔ ——— فقط تشبیہ فی التسمیہ مراد نہیں۔ ہاں کمالِ مماثلت اس
بات کو مقتضی ہے کہ وہاں بھی یہی نام ہوں، اور شاید یہی وجہ ہے کہ نام کو ذکر کیا۔ غرض جملۂ اخیرہ
میں تشبیہ فی النبوۃ ہے کہ اور پہلے جملوں میں اسماء کا ذکر کرکے شاید اس جانب اشارہ کیا ہو،
کہ جیسے مقاماتِ افرادِ ارضی سافلہ مقاماتِ افرادِ ارضی عالیہ ہیں، ایسے ہی توافق فی الاسم بھی ہے۔

حدیث مذکور اور آیۃ میں تطابق نیز تشبیہ کا بیان

جب ان تمام مضامین سے فراغت
ہوئی اور بحمد اللہ تمام شکوک و اوہام کا
استیصالِ کلی ہوگیا تو لازم یوں ہے کہ توضیح تشبیہ نبی کنبیکم ایسی طرح کیجئے کہ جس

سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت اور ارضی سافلہ کے خواتم کی آپ کے ساتھ مشابہت دونوں معاً ایسی طرح ثابت ہو جائیں گے کہ پھر کوئی حالتِ منتظرہ باقی نہ رہے۔ اور نیز یہ اشکال بھی مرتفع ہو جائے کہ مماثلت فی النسبت کا آیۃ اللّٰہُ الَّذِی میں مراد ہونا مسلّم وجوہ مذکورہ بالا اس بات کے اثبات کے لیے کافی پُر اثر ہیں۔ اس تشبیہ کو جو اوّل سے آخر تک موجود ہے تشبیہ فی النسبۃ کہنا بظاہر مخالف ظاہر ہے۔ یہاں تو تشبیہ مفرد کہئے تو بجا ہے۔ تشبیہ فی النسبۃ کہیں گے تو وہی تشبیہ مرکب لازم آئے گی۔ بالجملہ بغرض توضیح مشار الیہا و دفع شبہ مسطور کا یہ ہیچمدان اور بھی کچھ رقم طراز ہے پر اہلِ فہم و انصاف سے توجہ و اقرارِ حق کا خواستگار ہے۔

کمالِ نبوّت بہت سی چیزوں پر موقوف ہے

سُنئے نبوّت وہ کمال ہے جو مثلِ جمالِ امورِ کثیرہ پر موقوف ہے۔ حدیث الرؤیا جزء من ستۃ واربعین جزءًا من النبوۃ سب ہی کو یاد ہوگی۔ بخاری وغیرہ صحاح میں موجود ہے۔ دیکھئے اس حدیث سے صاف ثابت ہے کہ کمالِ نبوت کوئی امر بسیط نہیں۔ سو جیسے جمالِ جملہ اعضاء ضروریہ کے مجتمع ہو جانے سے حاصل ہوتا ہے ایسے ہی کمالِ نبوّت بھی تمام کمالاتِ ضروریہ کے اجتماع سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر جیسے تناسب جمال کا کوئی ایک قاعدہ نہیں۔ ہر حسین میں ایک جُدا ہی تناسب ہے۔ علیٰ ہذا القیاس تناسبِ کمالاتِ نبوّت بھی ایک ہی انداز پر نہیں ہوتا۔ کہیں کوئی تناسب ہوتا ہے کہیں کوئی تناسب ہوتا ہے۔ سو اگر دو نبیوں کے کمالات میں ایک ہی تناسب ہو تو ایک کی نبوت دوسرے کی نبوّت کے مماثل ہوگی، نہیں تو نہیں۔ مگر جیسے اس عالم میں دو جمال ایک تناسب کے نظر نہیں آتے، اگرچہ فی حدِ ذاتہٖ ممکن ہو، ایسے ہی دو کمالاتِ نبوت بھی ایک تناسب کے عالم میں ــــــــــ

ــــــــــ معلوم نہیں ہوتے۔ ہاں جیسے آئینہ میں عکسِ جمال کا تناسب بھی وہی ہوتا ہے جو اصل جمال کا تناسب، ایسے ہی معکوس کمالِ نبوت کا تناسب بھی وہی ہوگا جو اصل کمال کا تناسب ہے۔ اگر کہیں فرق پڑے گا تو آئینہ یا ہیئت

معروض کی وجہ سے فرق پڑے گا جیسے تناسب عکس جمال میں آئینہ کی وجہ سے کہیں فرق پڑجاتا ہے یعنی کہیں عکس مذکور اس تناسب پر معلوم نہیں ہوتا جو اصل میں ہوتا ہے بلکہ اس کی نسبت لمبا یا موٹا یا چوڑا نظر آنے لگتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس آئینہ بے رنگ میں جیسے عکس برنگ اصل ہوتا ہے، اور آئینہ سبز و سرخ میں عکس برنگ اصل نہیں رہتا بلکہ الوان آئینہ کے تابع ہو جاتا ہے ایسے ہی کیفیات عکوس نبوت میں اگر فرق پڑے گا تو اس کا باعث کوئی کیفیت خاصہ آئینہ یا ہیئت معروض نبوت ہوگا۔ جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی تو آگے سنئے۔

تقریر متعلق معنی خاتم النبیین سے تو یہ بات سب ہی اہل فہم سمجھ گئے ہوں گے کہ موصوف بوصف نبوت بالذات تو ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ باقی اور انبیاء میں اگر کمال نبوت آیا ہے۔ تو جناب ختم مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف سے آیا ہے مگر بایں لحاظ کہ ہر نبی کی روح اس کے امتیوں کی ارواح کے لیے معدن اور اصل ہوتی ہے۔ چنانچہ تقریر متعلق آیۃ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ میں اور تے تامل کیجئے تو اس پر شاہد ہے۔ یوں سمجھ میں آتا ہے کہ اور انبیاء رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے فیض لے کر امتیوں کو پہنچاتے ہیں۔ بغرض بیچ میں واسطہ فیض ہیں۔ مستقل بالذات نہیں۔ مگر یہ بات بعینہ وہی ہے جو آئینہ کی نور افشانی میں ہوتی ہے۔ غرض جیسے آئینہ آفتاب اور اس دھوپ میں واسطہ ہوتا ہے۔ جو اس کے وسیلہ سے ان مواضع میں پیدا ہوتی ہے جو خود مقابل آفتاب نہیں ہوتی پر آئینہ مقابل آفتاب کے مقابل ہوتی ہے ایسے ہی انبیاء باقی بھی مثل آئینہ بیچ میں واسطہ فیض ہیں غرض اور انبیاء میں جو کچھ ہے وہ ظل اور عکس محمدی ہے کوئی کمال ذاتی نہیں، پر کسی نبی میں وہ عکس اسی تناسب پر ہے جو جمال کمال محمدی میں تھا اور کسی نبی میں بوجہ معلوم وہ تناسب نہ رہا ہو۔ سو جہاں کہیں نَبِیٌّ کَنَبِیِّکُمْ فرمایا ہے۔ اس میں لحاظ تناسب کی جانب اشارہ ہے۔

بہر حال بعد لحاظ معنی خاتم النبیین اور تشبیہ مندرجہ نَبِیٌّ کَنَبِیِّکُمْ یہ بات عیاں،

ہو جاتی ہے کہ اور زمینوں میں عکوس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اسی تناسب کے ساتھ ہیں اور
مفہوم تناسب ہے اس تشبیہ کا تشبیہ فی النسبتہ ہونا بھی ظاہر ہو گیا۔ یعنی کمالات اصل میں جو
تشبیہ تھی وہی نسبت کمالات عکوس میں بھی محفوظ ہے۔ اس صورت میں اگر اصل وظل
میں تساوی بھی ہو تو کچھ حرج نہیں کیونکہ افضلیت بوجہ اصلیت پھر بھی ادھر رہے گی۔
اور اگر یوں کہئے مشبہ بہ ذات محمدی ہے اور مشبہ فرادی فرادی ہر نبی کی ذات، اس لیے
اس تشبیہ کو تشبیہ مفرد کہنا چاہیئے نہ مرکب۔ سو ہماری طرف سے بھی سلم، مگر بہر حال مشبہ بہ
اور مشبہ کو واحد کہو یا متعدد وجہ شبہ تناسب داخلی یعنی تناسب بین الکمالات اور تناسب
خارجی یعنی تناسب بین الانبیاء، دونوں ہی کو کہنا پڑے گا تاکہ اطلاق تشبیہ ہاتھ سے نہ جائے
اور افضلیت محمدی کے لیے یہ وجہ اور ہاتھ آجائے کہ جیسے آئینہ میں عکس زمین کی دھوپ،
عکس آفتاب کا طفیل ہے اور اس وجہ سے آفتاب ہی کی طرف منسوب ہونی چاہیئے ایسے
اور زمینوں کے خاتموں کے فیوض خواہ ارواح انبیاء ہوں یا ارواح اُمت ان کے کمال ہوں
یا اُن کے سب آپ ہی کی طرف منسوب ہوں گے۔ اِن تمام مضامین کے مطالعہ کرنے والوں
کو یہ بات بخوبی روشن ہو گئی ہو گی کہ در صورت تسلیم اراضی دیگر بطور معلوم بشہادت جملہ خاتم
النبیین تمام زمینوں میں ہمارے نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری ہوگی اور
وہاں کے انبیاء آپ ہی کے دریوزہ گر ہوں گے۔ اور سب جانتے ہیں کہ اس میں جو فضیلت
ہے در صورت انکار اراضی ماتحت وہ فضیلت ہاتھ سے جاتی رہے گی۔

ایک شبہ اور اُس کا جواب

مگر ہاں شاید کسی صاحب کو یہ وسوسہ حیران کرے کہ اگر
اور چھ زمینوں کے بطور معلوم ہونے میں حضرت خاتم
النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کو یہ افزائش ہے تو اور چھ خداؤں کے تسلیم کرنے
میں مثلاً اسی طور خدا کی خدائی کو بقدر معلوم افزائش ہوگی۔ سو ہر چند یہ شبہ انہی لوگوں کو ہو
جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کے برابر اور آپ کی نبوت کو خدا کی خدائی کے برابر
سمجھتے ہیں۔ یعنی اس کے تعدد سے اس کا تعدد اور اس کی وحدت سے اس کی وحدت

پر ایمان لانے کو تیار ہوتے ہیں سو ایسے لوگوں سے ہمارا کلام بھی نہیں۔ ہم تو کس شمار میں ہیں وہ وہ تو خدا کی بھی نہیں مانتے ہاں باین خیال کہ شاید کسی ایسے ویسے سے سُن کر کسی اور کو دھوکا نہ پڑے یہ گذارش ہے۔

خدائی بالذات اور بالعرض میں منقسم نہیں ہوتی

گو یوں تو اور بھی بہت سے اوصاف منقسم بالذات و بالعرض نہیں ہوتے پر ایک خدائی اور دوسرا امکان خاص، ان دونوں میں فرق بالذات و بالعرض نہیں ہوتا جیسے امکان کے لیے ایک امکان بالذات ہی فرد ہے۔ امکان بالغیر کی گنجائش نہیں ورنہ واجب اور ممتنع بھی کبھی ممکن خاص ہو جایا کرتے۔ ایسے ہی خدا کے لیے بھی ایک ہی واجب بالذات کی صورت ہے ورنہ ممکن اور ممتنع بھی کبھی نہ کبھی خدا ہو جاتے، اور بھی نہیں تو اُن کا خدا ہونا ممکن تو ہوتا۔ سو ان دونوں وصفوں کے اور اوصاف مشہورہ خاص کر اوصاف مشترکہ بین الواجب والممکن میں دونوں قسمیں ہوتی ہیں۔ کہیں بالذات کہیں بالعرض۔ باقی وہ بات جس سے امکان اور خدائی کا قسم بالذات ہی کے ساتھ اختصاص سمجھ میں آجائے اور اوصاف باقیہ کا دونوں قسموں کی طرف منقسم ہونا روشن ہو جائے، یہ ہے کہ اکثر اوصاف کا ان دونوں قسموں کی طرف منقسم ہونا تو سب ہی جانتے ——— ہوں گے کہ کسی وصف کے ساتھ اگر قید بالذات یا بالعرض لگالیں اور اس وصف مع القید یعنی مقید کو دیکھیں تو پھر دوسری قسم کی گنجائش نہ رہے گی ورنہ اجتماع الضدین لازم آئیگا۔ ظاہر ہے کہ سواد بالذات بالعرض نہیں ہو سکتا اور سواد بالعرض بالذات نہیں ہو سکتا اور یہ ایسی موٹی بات ہے کہ کوئی صاحب اس میں متامل ہی نہ ہوں گے۔ ہاں فہم ہی نہ ہو تو پھر ان کا کچھ قصور نہیں سو اور مفہومات تو ان دونوں قیدوں سے معرّیٰ ہیں اور مفہوم خدائی اور مفہوم امکان میں یہ قیدیں ماخوذ ہیں خدائی کا مفاد تو موجودیت بالذات ہے اور امکان کا مفاد موجودیت بالعرض۔ اور ثبوت اور رسالت میں ظاہر ہے کہ یہ بات مقصود ہے، بلکہ مفہوم خدائی اور امکان چونکہ مفہوم اضافی نہیں تو یوں بھی نہیں کہہ سکتے کہ کہیں خدائی اور امکان مطلق ہو اور کہیں بالاضافہ

ہاں خاتمیت چونکہ مفہوم اضافی ہے تو یہ فرقِ اطلاق اور اضافت یہاں جاری ہو سکتا ہے۔ باقی اس کا اضافی ہونا اور ان کا اضافی نہ ہونا سب ہی جانتے ہوں گے، میں کس لیے قلم گھساؤں۔ ہاں یہ بات قابلِ گذارش ہے کہ امکان میں چونکہ وصف بالعرض ماخوذ ہے اور اس کے حق میں مِنجملہ ذاتیات ہے تو یہاں بھی باوجودیکہ مفہوم بالعرض ماخوذ ہے بالذات ہی میں انحصار رہا کیونکہ امکان مجموعہ موجودیت بالعرض کا نام ہے۔ سو کسی صاحب کو یہ شُبہ نہ پڑے کہ یہاں تو امکان بالعرض ہونا چاہیئے تھا، بالذات کیوں ہوا۔ ہاں مفہومِ موجودیت کو دیکھیں تو البتہ یہی حساب ہے، اور ظاہر ہے کہ ممکنات موجود فی الخارج ہوں یا مرتبہ اعیان ثابتہ میں ان کو تحقق ہو، دونوں جا موجود بالعرض ہیں بالذات نہیں کیونکہ یہاں وجودِ خارجی کے اوصافِ انتزاعیہ میں سے ہیں اور وہاں وجودِ باطنی کے اوصافِ انتزاعیہ میں سے۔ اور سب جانتے ہیں کہ اوصافِ انتزاعیہ موجود بوجود المنشاء ہوتے ہیں جس سے موجودیت بالعرض ٹپکتی ہے، موجود بالذات نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

خلاصۂ بیان

بعد اس تفصیل کے بطور خلاصۂ تقریر و فذالکۂ دلائل یہ عرض ہے کہ ہر زمین میں اس زمین کے انبیاء کا خاتم ہے، پر ہمارے رسول مقبولِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے خاتم۔ آپ کو ان کے ساتھ وہ نسبت ہے جو بادشاہِ ہفت اقلیم کو بادشاہانِ اقالیمِ خاصہ کے ساتھ نسبت ہوتی ہے۔ جیسے ہر اقلیم کی حکومت اس اقلیم کے بادشاہ پر اختتام پاتی ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے اس کو بادشاہ کہا، آخر بادشاہ تو وہی ہوتا ہے جو سب کا حاکم ہوتا ہے۔ ایسے ہی ہر زمین کی حکومتِ نبوت اس زمین کے خاتم پر ختم ہوتی ہے۔ پر جیسے ہر اقلیم کا بادشاہ باوجودیکہ بادشاہ ہے پر بادشاہِ ہفت اقلیم کا محکوم ہے۔ ایسے ہی ہر زمین کا خاتم اگرچہ خاتم ہے، پر ہمارے خاتم النبیین کا تابع۔ جیسے بادشاہِ ہفت اقلیم کی عزت اور عظمت اپنی اس اقلیم کی رعیت پر حاکم ہونے سے جس میں خود مقیم ہے اتنی نہیں سمجھی جاتی جتنی بادشاہانِ اقالیمِ باقیہ پر حاکم ہونے سے سمجھی جاتی ہے، ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت فقط اس زمین کے انبیاء کے خاتم ہونے

سے نہیں سمجھی جاسکتی، جتنی خاتمیت زمانی سافلہ کے خاتم ہونے سے سمجھی جاتی ہے، مگر تعجب آتا ہے آج کل کے مسلمانوں سے کہ کس تشدد سے اور خاتموں بلکہ خود زمینوں سے انکار کرتے ہیں۔ تس پر ماننے والوں پر کفر کے فتوے دیتے ہیں، ایا سُنی نہ ہونے کا اہتمام کرتے ہیں یہ وہی مثل ہوئی کہ نکٹوں نے ناک والوں کو نکو کہا تھا۔

خلاصہ مکنونِ خاطر منکرین اس صورت میں یہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا عظیم الشان مت سمجھو، کافر ہو جاؤ گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت نہ کرو، ورنہ سُنی نہ رہو گے۔ سو اگر یہی کفر و اسلام اور یہی بدعت و سُنت ہے تو اس اسلام سے کفر بہتر ہے اور سُنت سے بدعت افضل۔ امام شافعیؒ نے ان لوگوں کے مقابلے میں جو محبت اہل بیت بوجہ غلو رفض سمجھتے تھے، یوں فرمایا ہے۔ شعر

ان کان رفضاً حبُّ آلِ محمّدٍ
فلیشہد الثقلان انّی رافض

ہم ان صاحبوں کے مقابلہ میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسقدر زیادہ قدر سے کہ ان کے خیال سے سات گنی ہو جائے یہ بُرا مانتے ہیں کہ قائلین زیادہ قدر کو کافر یا خارج از مذہب اہل سُنت سمجھتے ہیں، اس شعر کو بدل کر یوں پڑھتے ہیں ؎

ان کان کفراً حبُّ قدرِ محمّدٍ
فلیشہد الثقلان انّی کافر

یہ تو خلاصہ مطالب تھا۔

خلاصہ دلائل اب خلاصہ دلائل بھی سُنئے کہ دربارۂ وصفِ نبوت فقط انہی زمین کے انبیاء علیہم السلام ہمارے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح مستفید و مستفیض نہیں جیسے آفتاب سے قمر و کواکب باقیہ، بلکہ اور زمینوں کے خاتم النبیین بھی آپ سے اسی طرح مستفید و مستفیض ہیں مگر یہ بات سات زمینوں کے ہونے اور ہر زمین میں انبیاء علیہم السلام کے ہونے پر اور پھر ان انبیاء کے وصفِ نبوت

میں معروض اور آپ کے واسطہ فی العروض ہونے پر موقوف ہے۔ جب تک یہ بات ثابت نہ ہو تب تک ثبوتِ مطلب متصور نہیں، سو سات زمین کے ہونے پر ایک تو آیت اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ دوسرا حدیث مسطور ایک جس کو من اولہ الیٰ آخرہ نقل کر چکا ہوں اور بوجہ ظہور توافق آیت و حدیث اس باب میں ان تفسیروں کا قول جنہوں نے سبع ارضین سے سبع اقالیم مراد لی ہیں یا ہفت طبقات زمین واحد تجویز کئے ہیں۔ معتبر نہیں ہو سکتا۔ خاص کر اہلِ فہم کے نزدیک، کیونکہ آیت مذکورہ ہی بے معونت و مساعدت حدیث مسطور تعدد اراضی پر اور وہ بھی بقدر ہفت ایسی صاف دلالت کرتی ہے۔ جیسے آسمانوں کے سات ہونے پر لفظ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ کے معنی میں کسی نے یہ نہیں کہا کہ سات ٹکڑے ہیں یا سات برج مثلاً یا سات طبقے ایک آسمان کے ہیں۔ ایسے ہی یہاں یہ خیال باطل نہ باندھنا چاہیئے۔ اور ہر زمین میں انبیاء ہونے کی دلیل بھی قطع نظر اس ثبوت کے اوپر جو مرقوم ہوا، بدستور مضمون سابق ایک آیت ہے اور ایک حدیث آیت تو یہی اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَہُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الۡاَمۡرُ بَیۡنَہُنَّ اور حدیث وہ اثر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جس کی طرف اوپر اشارہ گذرا۔ دلالت اثر تو ظاہر ہے پر دلالتِ آیت میں البتہ اتنی تفصیل نہیں۔ سو یہ اسی پر کیا موقوف ہے، اکثر آیات اسی طرح اپنے مطالب پر دلالت کرتی ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مَا قَلَّ وَکَفٰی خَیۡرٌ مِّمَّا کَثُرَ وَاَلۡھٰی یا مَا قَلَّ وَدَلَّ خَیۡرٌ مِّمَّا کَثُرَ وَاَمَلَّ۔ سو تمام آیات میں یہی ہے کہ الفاظ قلیل اور معانی کثیر۔ لیکن فہم ہو تو جتنا پورا پورا بیانِ مطالب کلام اللہ کے الفاظ میں ہوتا ہے وہ تنا اور الفاظ اور بیانات تو درکنار الفاظِ حدیث میں بھی نہیں۔ پر تھوڑے سے الفاظ میں مطالب کثیرہ جو مجتمع ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے سے الفاظ جدے نہیں ہوتے یعنی ہر ایک مطلب کے لیے جدا لفظ نہیں ہوتا۔ اس لیے ہم سے جاہلوں کو بسا اوقات معلوم نہیں ہوتے۔ ہاں بدلالت شرح صحیح جو احادیثِ صحیحہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

البتہ بڑے بڑے مطالب تھوڑے تھوڑے الفاظ سے نکل آتے ہیں۔

قرآن کی اوّل تفسیر حدیث ہے

غرض احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی اوّل تفسیر ہے اور کیوں نہ ہو، کلام اللہ کی شان میں عزو فرماتے ہیں وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ جب کلام اللہ میں سب کچھ ہوا یعنی ہر چیز بالاجمال مذکور ہوئی تو اب احادیث میں بجز تفسیر قرآنی اور کیا ہوگا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر قرآن دان بھی کوئی نہیں ہوا۔ اس صورت میں جو کچھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وُہی صحیح ہوگا۔ اگر آپ کی طرف کوئی قول منسوب ہو، اور عقل کے مخالف نہ ہو، تو گو باعتبار سند اتنا قوی نہ ہو جیسے ہوا کرتی ہیں، تب بھی اور مفسروں کے احتمالوں سے تو زیادہ ہی سمجھنا چاہیئے۔ اس لیے کہ اقوال مفسرین کی سند بھی تو اس درجہ کی کہیں کہیں ملتی ہے۔ پھر ان کے فہم کا چنداں اعتبار نہیں ہو سکتا ہے کہ ان سے خطا ہوئی ہو تس پر بھی جب باعتبار سند بھی برابر ہوئی، اور ایک آپ کا قول ہو، دوسرا کسی دوسرے کا، تو بے شک آپ ہی کا قول مقدم سمجھا جائے گا اور اگر سند بھی حسب قانون اصول حدیث اچھی ہو تو پھر تو تامل کا کام ہی نہیں۔

سو دیکھئے لفظ یتنزل کے اگر یہ معنی بیان کئے جائیں، کہ نزول اوامر و نواہی اور نزول وحی ہوتا ہے اور اثر مذکور کو اس کی شرح کہی جائے تو باین وجہ کہ بالمعنی مرفوع ہے اور باعتبار سند صحیح بیشک تسلیم ہی کرنا پڑے گا۔ بلکہ یہ قصہ ایسا ہو جائے گا جیسے کسی اندھے کی آنکھ بنا کر اس سے پوچھیں۔ آفتاب کہاں ہے اور وہ ٹھیک بتلائے اور آفتاب کو دیکھ کر اُس کو چھینک آئی تو جیسے آفتاب کا اُس جا پر ہونا اُس کے بینا ہو جانے پر شاہد، اور اُس کا بینا ہو جانا آفتاب کے اُس جگہ ہو جانے پر ایسی ہی آیۃ

ے یتنزل الامر بینھن سے حدیث مذکور کی تائید پیش کی جا رہی ہے جو حدیث مذکور کی صحت پر دال ہے۔

تو اثر مذکور کی مصدق ہے اور اثر مذکور آیۃ کا مصدق۔ اس پر مجھ کو ایک نقل یاد آئی نقل:۔ حضرت جنیدؒ کے کسی مرید کا رنگ یکایک متغیر ہو گیا۔ آپ نے سبب پوچھا۔ تو برُوئے مکاشفہ اُس نے یہ کہا، کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ حضرت جنیدؒ نے ایک لاکھ یا پچہتر ہزار بار کبھی کلمہ پڑھا تھا۔ یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدۂ مغفرت ہے، اپنے جی ہی جی میں اُس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اُس کو اطلاع نہ کی مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔ آپ نے پھر سبب پوچھا۔ اُس نے عرض کیا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ سو آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث معلوم سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اُس کے مکاشفہ سے ہو گئی۔ سو ایسے ہی یہاں بھی سمجھئے کہ آیت مذکور بہ تفسیر مشارٌ الیہ تو اثر مذکور کی مؤید اور اثر مذکور تفسیر مذکور کے موافق۔ بالجملہ قوی احتمال اس آیت میں نزول وحی ہوتا ہے پھر بَیْنَهُنَّ کی ضمیر یا تو فقط اَرض مع مِثْلَهُنَّ کی طرف راجع ہو گی، اور بوجہ قرب اس طرف زیادہ دھیان جاتا ہے۔ یا سمٰوٰت اور اَرض مع مِثْلَهُنَّ سب کی طرف۔ بہر حال مطلب یہی ہو گا۔ سو نزول امر بین السّمٰوات تو حدیث ترمذی سے جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں معلوم ہو چکا اور یہاں اس آیۃ اور اس اثر سے معلوم ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ اس نزول امر کو نبوت لازم ہے۔ غایت مافی الباب ملائکہ کو حسب اصطلاح نبی نہ کہو، پر نبوت بمعنی نزولِ اوامر بہر حال ثابت ہے، اور یہ بات پہلے ثابت ہو چکی کہ یہ زمین سب زمینوں سے اُوپر ہے، اور زمینیں اُوپر تلے اس کے تلے واقع ہیں۔ اور نزول اُوپر سے کسی چیز کے جانے کو کہتے ہیں۔ اس صورت میں نزولِ امر اِدھر اُدھر کو ہو گا۔ تاکہ مضمون بَیْنَهُنَّ متحقق ہو۔ کیونکہ اگر نزول احکامِ الٰہی اراضی باقیہ میں بے واسطہ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہوا کرتا تو درصورتیکہ مرجع ضمیر جمع مذکورہ میں اراضی بھی داخل ہوں تو یوں نہ فرماتے بلکہ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ فِیْهِنَّ یا عَلَیْهِنَّ فرماتے واللہ اعلم۔ باقی اس کی تصحیح میں بیہودہ تاویلیں جب گھڑیئے جو معنی متبادر کے لینے میں کچھ وقت ہو۔ بلکہ انصاف

سے دیکھئے تو معنیٰ حقیقی یہی ہیں کہ اِدھر سے اُدھر کو نزول سمجھا جائے اور وحی مذکور بواسطہ
محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نیچے کے انبیاء کو اس طرح پہنچے جیسے حکام کے احکام
ملازمانِ بالادست کے واسطے سے ملازمانِ ماتحت کو پہنچتے ہیں۔ اور وہ مضمون عُلِّمتُ
علم الاوّلین والآخرین بہ نسبت انبیاء ماتحت اس طرح سے راست ہو کہ اوّل
آپ کو وحی آئی اور پھر ملائکہ کے واسطے سے اُن کو پہنچی۔ اور یہ نہیں تو نہ سہی مجرد جمیع حصول
علوم ہی کافی ہے یوں ہو یا جیسے علوم انبیاء زمین بذا حاصل ہوئے، باقی رہا آپ کا
وصفِ نبوت میں واسطہ فی العروض اور موصوف بالذات ہونا اور انبیاء ماتحت علیہم السلام کا آپ کے
فیض کا معروض اور موصوف بالعرض ہونا وہ تحقیق معنی خاتمیت پر موقوف ہے جس کی شرح و بسط کماینبغی اوپر کر چکا ہوں

قارئین سے گذارش

اب یہ گذارش ہے کہ مضامینِ سابقہ کو فرادیٰ فرادیٰ دیکھئے تو عجب نہیں کہ بعضے حجتی لا اتنی تسلیم میں کچھ حیلہ و حجت کریں
اور بعضے نامعقول معقولی باین خیال کہ اکثر استدلالات مذکورہ انّی ہیں، تو کیا اعتبار تکرار
سے پیش آئیں۔ پر اہلِ فطانت و فراست اور اہلِ حدس سے تو یوں اُمید ہے کہ جیسے
اختلافِ تشکلات کو دیکھ کر بعد ملاحظہ قرب و بُعد باہمی و لحاظِ کرویتِ ارض و سماء یہ
سمجھتے کہ نورِ قمر نورِ آفتاب سے مستفاد ہے ایسے ہی بعد لحاظ مضامین مسطورہ فرقِ مراتب
انبیاء کو دیکھ کر یہ سمجھیں کہ کمالاتِ انبیاء سابق اور انبیاء ماتحت کمالاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
سے مستفاد ہیں اور جیسے اختلافِ تشکلات وغیرہ تنہا تنہا دلالتِ مطلوب میں کافی نہیں،
اسی طرح مضامین مذکورہ فرادیٰ فرادیٰ گو کسی بدفہم کو کافی نہ معلوم ہوں، پر سب مل کر
لاریب مضمونِ معلوم پر اتنی تو دلالت ضرور کرتے ہیں جتنے اختلافِ تشکلات قمر وغیرہ استفادہ
مذکور پر۔ یا یوں کہیے، جیسے بہت عوارض عامہ سے مل کر ایک خاصہ مطلق پیدا ہو جاتا ہے
اور خاصہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ رسم ناقص ایساغوجی کو دیکھنے سے ظاہر ہے ایسے ہی دلائل
مذکورہ اگر کسی کی نظروں میں تنہا تنہا عام بھی ہوں تو سب مل کر مطلوب مذکور کے مساوی ہی
ہو جاتے ہیں مگر یہ بات بطور تنزل و حزم و احتیاط معروض تھی، ورنہ بنظرِ غائر و فکرِ صائب

اور طبع سلیم اور ذہنِ مستقیم اور عقلِ وفا اور قلب ذکی ہو تو سب امور مذکورہ من جملہ خواص ختمِ نبوّت مطلق ہیں۔ قلتِ فرصت و کثرتِ مشاغل و تقاضا ء سائل کثیر ہوتا۔ تو انشاء اللہ اس دعوے کے ثبوتِ اجمالی کو مفصّل لکھتا۔

ہر استدلال انّی محلِ تامل نہیں

سو جیسے دھوپ کو دیکھ کر آفتاب کے طلوع میں اور دھواں دیکھ کر آگ کے وجود میں اور خوشبو سونگھ کر عطر کے ہونے میں اور کسی کی آواز سن کر اُس کی یا مطلق انسان کے ہونے میں تامل نہیں رہتا۔ ایسے ہی امور مذکورہ سے ختم نبوت مطلقہ پر استدلال قابل تامل نہیں اور یہیں سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ تمام استدلالات انّی محلِ تامل نہیں ہوتے۔ ورنہ خدا کی خدائی جو عالم دیکھ کر معلوم ہوتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّۃ جو اعجاز وغیرہ سے ثابت ہوتی ہے یا کسی کی ذکاوت، کسی کی عبادت کسی کی سخاوت، کسی کا بخل، کسی کی شجاعت، کسی کا جبن جو آثارِ معلومہ سے معلوم ہوتے ہیں سب محلِ تامل ہو جائیں۔ بجز اس کے کیا کہا جائیگا کہ جیسے یہ امور تنہا تنہا خواصِ مدلولات ہیں یا مثل عوارضِ عامہ مجتمعہ مجتمع ہو کر خاصہ بن جاتے ہیں جیسے خوارق و اخلاقِ حمیدہ اور دعوۃ الی الدین سوا نبی کے کسی اور میں نہیں ہوتیں۔ ایسے ہی امور مسطورہ اوراق گذشتہ جو در بارۂ اثباتِ خاتمیت بطور مذکور ذکر کئے گئے ہیں تنہا تنہا یا باہم مل کر مطلوب معلوم کے ساتھ خاص ہیں۔

ہر تفسیر بالرائے غلط نہیں

اب یہ گذارش ہے کہ ہر چند آیۃ اَللّٰہُ الَّذِیْ خلق سبع سمٰوٰت کی یہ تفسیر کسی اور نے نہ لکھی ہو۔ پر جیسے مفسرانِ متاخر نے مفسرانِ متقدم کا خلاف کیا ہے۔ میں نے بھی ایک نئی بات کہہ دی تو کیا ہوا معنی مطابقی آیۃ اگر اس احتمال پر منطبق نہ ہوں تو البتہ گنجائش تکفیر ہے۔ اور یوں کہہ سکتے ہیں کہ موافق حدیث من فسّر القرآن برأیہ فقد کفر۔ یہ شخص کافر ہو گیا۔ پر اس صورت میں یہی گناہ گار تنہا کافر نہ بنے گا، یہ تکفیر بڑے بڑوں

تک پہنچے گی۔ ہاں اگر انصاف ہو تو اس حدیث کے معنی میں عرض کرتا ہوں۔
سنئے! مفہوم کلی ہزارہا افراد پر منطبق آتا ہے۔ ہر فرد میں اس کے لیے احتمال
صحیح ہوا کرتا ہے۔ سو اگر آیات قرآنی میں کوئی امر کلی مذکور ہو تو در بارۂ احتمالات
فرد ہے خواہ ان میں باہم نسبت توارد علی سبیل البدلیۃ ہو یا نہ ہو، وہ آیۃ مجمل ہوگی۔ سو
ان احتمالات میں سے کسی ایک احتمال کو بے دلیل متعلق کر دینا یا بے قرینہ راجح سمجھنا در پردہ
دعویٰ نبوت ہے جس کی وجہ سے ہر شخص آج کافر گنا جاتا ہے۔ ہاں اگر کوئی دلیل عقلی یا نقلی
ہو، یا کوئی قرینہ عقلی یا نقلی ہو اور پھر بقدر قوت دلیل و قرینہ کوئی شخص کسی احتمال کو راجح
کہے تو ہرگز کفر نہیں۔ ورنہ ہمیشہ تک دقائق و نکات کا نکلتے چلے آنا جیسے بعض الفاظ
احادیث مرفوعہ مثل لا یشبع منہ العلماء۔ ولا یخلق من کثرۃ الرد
ولا ینقضی عجائبہ اس پر دلالت کرتے ہیں، کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

تفسیر بالرائے دو قسم ہے۔ تفسیر بالہویٰ اور تفسیر بالدلیل

ہاں جب کوئی دلیل ہے نہ کوئی قرینہ تو پھر ترجیح احد الاحتمالات
محض اپنی عقل نارسا کا ڈھکوسلا ہے، اور اس کو تفسیر
بالرائے اعنی تفسیر بالہویٰ اور تفسیر من عند نفسہ کہہ سکتے
ہیں۔ ورنہ تفسیر بالرائے کیوں کہتے ہو، تفسیر بالدلیل یا بالقرینہ کہو۔ اگر توضیح بالمثال مد نظر
ہے تو سنئے کہ عقل کو ایک خوردبین اور دوربین معلومات دقیقہ اور مضامین دور دراز سمجھئے،
جیسے اجسام صغیرہ و بعیدہ بوسیلۂ خوردبین و دوربین خوب واضح اور پاس معلوم ہوتے ہیں۔
ایسے ہی بوسیلہ عقول صافیہ و سلیمہ مضامین دقیقہ اور معلومات بعیدہ واضح اور اقرب الی الذہن
معلوم ہوتے ہیں، مگر جیسے مدرکات خوردبین اور دوربین حقیقت میں عین معلوم نہیں ہوتا
ورنہ فرق مقدار اور تفاوت بُعد کی کوئی صورت نہ تھی بلکہ معلوم کی ایک مثال اور شبیہ ہوتی
ہے ایسے ہی وقت ادراک معلومات دقیقہ و بعیدہ کنہ یا وجہ جو کچھ ذہن میں آتی ہے ایک
مثال اور شبیہ مضامین مذکورہ سمجھئے۔ مگر جیسے شبیہ آئینہ میں علاوہ اعضاء و اجزاء ذی
شبیہ رنگ آئینہ بھی جو کچھ ہو، سبز فرض کیجئے یا سرخ لاحق ہو جاتا ہے اور اس رنگ

کو اثر ذی شبح نہیں کہہ سکتے، اثر آئینہ کہتے ہیں۔ ایسے ہی کہئے بعض مضامین زائد اصل معلوم شبح معلوم کو ذہن میں آکر لاحق ہو جاتے ہیں اور اس لحوق کے باعث اُن کو اصل معلوم کی طرف نسبت نہیں کر سکتے بلکہ ذہن عالم کی طرف کئے جائیں گے۔

تفسیر کس کو کہتے ہیں

جب یہ مثال اور تمہید ذہن نشین ہو گئی تو اب سنئے کہ تفسیر امرِ مجمل کو واضح کر دیتی ہیں۔ کچھ گھٹاتی بڑھاتی نہیں۔ انسان کو اگر حیوانِ ناطق کہا تو ایک امرِ مجمل کو واضح کر دیا ہے۔ زائد از اصل کچھ بڑھا نہیں دیا۔ سو بعینہٖ وہی قصہ ہے جو ادراک خوردبین میں ہوتا ہے اور اس وجہ سے اگر ہم تصویرِ آئینہ کو تفسیرِ ذی تصویر کہیں تو بجا ہے اور سفید جسم کو اگر سبز آئینہ کی خوردبین سے دیکھیں تو اُس رنگ سبز کو جو تصویرِ آئینہ میں لاحق ہو جاتا ہے اور رنگ اصلی معلوم ہوتا ہے، تفسیر بالمرآۃ کہیں تو زیبا ہے۔ ایسے ہی وہ مضامین جن سے مرتبہ اجمال میں کچھ تعرض نہ ہو اور کسی کی رائے یعنی عقل کی جانب سے لاحق ہو جائیں تو پھر ان کو تفسیر بالرائے کہیں تو کیا بے جا ہے۔

بہر حال تفسیر مثلِ ایضاحِ خوردبین توضیح ہوتی ہے، انشاء اور ایجاد نہیں ہوتا۔ چھوٹی چیز بڑی ہو جاتی ہے۔ اشیاء معدوم موجود نہیں ہو جاتی۔ سو چھوٹی چیز کا بڑا معلوم ہونا جیسے از قسم توضیح مقدار ہے۔ ایسے ہی کسی رنگ کا صاف نظر آنا توضیح لون، سفید کا سیاہ یا سُرخ و سبز معلوم ہونا توضیح رنگِ سفید نہیں بلکہ تغیرِ رنگ ہے جس میں ایک رنگ کا اعدام اور دوسرے رنگ کا ایجاد ہے۔ اس تقریر پر یہ شبہ کہ مقدارِ زائد بھی اصل حقیقت سے زائد ہی مرتفع ہو گیا، دوسرا جس چیز کا ادراک بوسیلۂ مرایا و مناظر مطلوب ہوا کرتا ہے اُس قسم کی جو بات بوسیلۂ مرایا معلوم ہو گی منجملہ تفسیر سمجھی جائے گی۔ سو وہ بات اگر اصل مجمل ہے تب تو تفسیر بالاصل ہو گی نہیں تو تفسیر بالمرآۃ کہیں گے اور جو چیز بوسیلۂ مرایا و مناظر مطلوب ہی نہیں ہوتی، وہ بات اگر معلوم بھی ہوئی، تو اس کو تفسیر کیوں کہئے۔ تفسیر تو اُس کو کہنا چاہیئے جس سے کوئی اجمال مبدل بتفصیل اور کوئی اشکال مبدل بانحلال ہو، اور ظاہر ہے کہ مقادیر اور مواضع بوسیلۂ مرایا و مناظر مطلوب نہیں ہوا کرتے۔ ورنہ لازم آئے کہ اصل

معقدار اشیاء مبصرہ بالمرایا اور مواضع اشیاء مذکورہ وہ ہوا کریں جو بوسیلۂ خوردبین یا دُوربین معلوم ہوں۔ بالجملہ تفسیر بالرائے وہ ہے جو امرِ مجمل و مفسر میں اصلاً نہ ہو بلکہ اُس امر میں کلام مجمل ساکت ہو، اور مرتبۂ تفسیر و تفصیل میں وہ امر داخل کیا جائے۔ اور ظاہر ہے ایسے اُمور کا داخل کرنا تصرفاتِ خیالی ہیں جو ہمارے ہی عقولِ ناقصہ کا کام ہوتا ہے باقی جو باتیں بوسیلہ کسی دلیل عقلی یا نقلی کے شامل کی جائیں، اُس کو اہلِ ظاہر گو تفسیر کہیں پر حقیقت میں تفسیر نہیں ہوتی بلکہ دو کلاموں جُداگانہ کے مضمونوں کو اکٹھا کر دیا کرتے ہیں۔ ہاں اگر تفسیر کے ایسے معنی عام لیجئے جس میں یہ بھی شامل ہو جائے تو پھر اختیار ہے۔ لامشاحۃ فی الاصطلاح بہر حال ایسی صورت میں تفسیر بالدلیل یا تفسیر بالقرینہ کہیں گے، تفسیر بالرائے نہ کہیں گے۔

قارئین سے مخلصانہ اپیل

الغرض ناظرانِ اوراق کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ بے وجہ قرارہ کفر نہیں کہ جو سامنے آیا، ایک کفر کا چھینٹا جڑا۔ مولویوں کا کام یہ نہیں کہ مسلمانوں کو کافر بنائیں، ان کا کام یہ ہے کہ کافروں کو مسلمان کریں۔ اعتبار نہ ہو تو پہلے علماء کے افسانے یاد کر و۔ سو اس زمانہ کے علماء سے ہو سکے تو اس گناہ گار کو جس کا اسلام برائے نام ہے دستگیری فرما کر ورطۂ ہلاکت سے نجات دیں اور ساحلِ سعادت تک پہنچائیں۔

وما علینا الا البلاغ واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین وصلی اللّٰہ علیٰ خیر خلقہ محمد والہ وصحبہ اجمعین۔

کتبہ العبد المذنب

محمد قاسم الصدیقی النانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ

جواب دیگر از علماء لکھنؤ

ہو المصوب

مخفی نہ رہے کہ حدیث مذکور محققین محدثین کے نزدیک معتمد ہے۔ حاکم نے اس کے حق میں صحیح الاسناد کہا، اور ذہبیؒ نے حسن الاسناد کا حکم دیا۔ اور اس حدیث کے ثبوت میں کوئی علتِ قادحہ معتمدہ نہیں ہے۔ اور زمین کے طبقات جُداگانہ ہونا بہت احادیث سے ثابت ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سلسلۂ نبوت اس طبقہ میں واسطے ہدایت سکان کے تیار ہوا، اسی طرح سے ہر ہر طبقہ میں سلسلۂ نبوت واسطے ہدایت وہاں کے سکان کے تیار ہوا۔ اور چونکہ بدلائل عقلیہ و نقلیہ لاتناہی سلسلہ کی باطل ہے لاجرم ہے کہ ہر طبقہ میں ایک مبدا سلسلہ ہو گا کہ وہ ہمارے آدم کے ساتھ مشابہ کیا گیا۔ اور ایک آخر سلسلہ ہو گا کہ وہ ہمارے خاتم کے ساتھ تشبیہ دیا گیا۔ پس بنا علیہ اواخر انبیاء طبقات تحتانیہ پر اطلاق خواتم کا درست ہے۔ اب یہاں تین احتمال ہیں۔ ایکؔ یہ کہ خواتم طبقات تحتانیہ بعد عصر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوئے ہوں۔ دوسرؔے یہ کہ مقدم ہوئے ہوں۔ تیسرے یہ کہ ہمعصر ہوں۔ احتمال اول بحدیث لا نبی بعدی وغیرہ باطل ہے، اور بر تقدیر احتمال ثانی آنحضرت خاتم انبیاء ہوں گے، اور بر تقدیر ثالث دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص ساتھ ہی طبقہ کے ہو اور آپ کی خاتمیت بہ نسبت انبیاء اسی طبقہ کے ہو، اور ہر طبقہ تحتانیہ میں وہاں کے خاتم کی رسالت ہو، اور ہر ایک ان میں کے صاحب شرع جدید و خاتم انبیاء اپنے طبقات کا ہو۔ دوسرؔے یہ کہ خواتم طبقات تحتانیہ متبع شریعت محمدیہ ہوں اور کوئی ان میں کا صاحب شرع جدید نہ ہو۔ اور دعوت ہمارے حضرت کی عام اور ختم آپ کا بہ نسبت جملہ انبیاء جملہ طبقات کے حقیقی ہو اور ختم ہر ایک خواتم باقیہ کا بہ نسبت اپنے اپنے سلسلہ کے اضافی ہو۔ احتمال اول بسبب عموم نصوص

بعثت نبویہ کے کہ جس سے صاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا تمام عالم پر معلوم ہوتا ہے باطل ہے۔ اور علماء اہل سنت بھی اس امر کی تصریح کرتے ہیں، کہ آنحضرت کے عصر میں کوئی نبی صاحب شرع جدید نہیں ہو سکتا۔ اور نبوت آپ کی عام ہے اور جو نبی آپ کے ہمعصر ہو گا وہ متبع شریعت محمدیہ ہو گا چنانچہ تقی الدین بکی سے جلال الدین سیوطی اپنے رسالہ الاعلام بحکم عیسیٰ علیہ السلام میں نقل کرتے ہیں۔

قال السبکی فی تفسیر لہ ما من نبی الا اخذ اللہ علیہ المیثاق انہ ان بعث محمد فی زمانہ لیؤمنن بہ ولینصرنہ ویوصی امتہ بذلک وفیہ من النبوۃ وتعظیم قدرہ ممالا یخفی۔ وفیہ مع ذلک انہ علی تقدیر مجیئہ فی زمانہم یکون مرسلا الیہم یکون نبوتہ ورسالتہ عامۃ لجمیع الخلق من زمن ادم الی یوم القیامۃ ویکون الانبیاء وامہم کلہم من امتہ فالنبی صلی اللہ علیہ وسلم نبی الانبیاء ولو اتفق بعثہ فی زمن ادم ونوح وابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ وجب علیہم وعلی امہم الایمان بہ ونصرتہ ولھذا یأتی عیسیٰ فی اخر الزمان علی شریعتہ ولو بعث النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فی زمانہ وفی زمان موسیٰ وابراھیم ونوح وادم کانوا مستمرین علی نبوتہم ورسالتہم الی امہم والنبی علیہ السلام نبی علیہم ورسول الی جمیعہم۔ انتہیٰ۔

اور بحر العلوم مولانا عبد العلی اپنے رسالہ فتح الرحمٰن میں لکھتے ہیں۔

"مقتضی ختم رسالت دو چیز ست یکے آنکہ بعد وے رسول نہ باشد و دیگر آں کہ شرع وے عام باشد و ہر کسیکہ موجود باشد وقت نزول شرع وے اتباع شرع وے برو واجب و فرض است سو ترش اینکہ ہمہ رسل در اخذ شرع مستمد از خاتم الرسالت اند۔ چونکہ شرع

وے عام باشد پس دیگرے صاحب شرع نہ باشد۔ انتہیٰ"
خلاصۂ کلام یہ ہے حدیث ابن عباسؓ صحیح و معتبر ہے اور اس سے طبقات تحتانیہ میں وجود انبیاء ثابت ہے۔ اور بسبب ابطال لاتناہی سلسلے کے ہر ایک طبقہ میں ایک آخر انبیاء بہ نسبت اُس طبقہ کے ہونا ضرور ہے لیکن مطابق عقائد اہل سنت یہ امر ہے کہ دعوت ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عام ہے تمام مخلوقات کو شامل ہے۔
پس اس امر کا اعتقاد کرنا چاہیئے کہ خواتم طبقات باقیہ بعد عصر نبوت یہ نہیں ہوئے یا قبل ہوئے یا ہمعصر۔ اور بر تقدیر اتحاد عصر وہ متبع شریعت محمدیہ ہوں گے۔ اور ختم اُن کا بہ نسبت اپنے طبقہ کے اضافی ہوگا، اور ختم ہمارے حضرت کا عام ہوگا۔ اور تفصیل ان سب امور کی میں نے کما حقہ اپنے دو رسالوں میں ایک مسمّیٰ بالآیات البینات علی وجود الانبیاء فی الطبقات دوسرا مسمّیٰ بہ دافع الوسواس فی اثر ابن عباسؓ کی ہے ہر گاہ یہ امر ممہد ہو چکا پس سمجھنا چاہیئے کہ زید کو جس نے عبارت جو سوال میں مرقوم ہے لکھی اہر گاہ مماثلت سے انکار ہے۔ اور صحت حدیث و ثبوت تعدد خواتم طبقات تحتانیہ کا قائل ہے۔ مخالف اہل سنت کے نہیں ہے نہ کافر ہے نہ فاسق بلکہ متبع سنت ہے۔ مگر ہاں اگر نبوت محمدیہ کو ساتھ اسی طبقہ کے خاص کرتا ہو۔ اور ہر ایک خاتم کو صاحب شرع جدید سمجھتا ہو تو البتہ قابل مواخذہ کے ہے۔ کیونکہ یہ امر خلاف نصوص و خلاف کلمات علماء معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر مجرد تعدد خواتم کا قائل ہو، اور ختم ہمارے رسول کو حقیقی بہ نسبت جملہ انبیاء جملہ طبقات کے سمجھتا ہو۔ اور ختم ہر ایک خواتم باقیہ کو اضافی کہتا ہو، تو اُس پر کچھ مواخذہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔
حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی وحفظ عن موجبات الغی

مُہر | ابو الحسنات محمد عبد الحی

واقعی زید بوجہ اس تحریر کے کافر یا فاسق نہ ہوگا واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب

کتبہ ابوالحیا محمد نعیم

عفر اللہ العلی الرب الحکیم ۱۲۹۰ھ

اصاب المجیب۔ کتبہ ابوالجیش محمد مہدی عفا عنہ الہادی

مہر | ابوالجیش محمد مہدی

اور عدم تکفیر و تفسیق و خروج پر علماء دیوبند و سہارن پور اور گنگوہ اور الہ آباد اور آگرہ اور سورت نے اتفاق کیا۔ والحمد للہ علی ذلک۔ اور سب جوابوں کو حرف بحرف لکھنے کی ضرورت نہیں کہ مطالب سب کے ان دونوں جوابوں میں آگئے۔ فقط

تمت

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

پر

انکارِ ختمِ نبوت کا بہتان

مولانا محمد منظور نعمانی
مدیر الفرقان لکھنؤ

مولوی احمد رضا خاں صاحب حسام الحرمین صفحہ ۱۲، ۱۳ پر (جہاں سے اکابر علماء اہل سنت کی تکفیر کا سلسلہ شروع ہوتا ہے) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی (بانی دار العلوم دیوبند) کے متعلق لکھتے ہیں۔

قاسم النانوتوی صاحب تحذیر الناس[1] وهو القائل فيه لو فرض في زمنه صلى الله تعالى عليه وسلم بل لو حدث بعده صلى الله تعالى عليه وسلم نبي جديد لم يخل ذلك بخاتميته وانما يتخيل العوام انه صلى الله تعالى عليه وسلم خاتم النبيين بمعنى آخر النبيين انه لا فضل فيه اصلا عند اهل الفهم الى آخر ما ذكر من الهذيانات وقد قال في التتمة و الاشباه وغيرهما اذا لم يعرف ان محمدا صلى الله تعالى عليه وسلم آخر الانبياء فليس بمسلم لانه من الضروريات۔ (حسام الحرمین ص۱۳)

قاسم نانوتوی جس کی تحذیر الناس ہے اور اس نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے بلکہ بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ عوام کے خیال میں رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب میں آخر نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ تقدم یا تاخر زمانہ میں بالذات کچھ فضیلت نہیں الخ حالانکہ فتاوے تتمہ اور الاشباہ والنظائر وغیرہما میں تصریح فرمائی کہ اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سب سے پچھلا نبی نہ جانے تو مسلمان نہیں، کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر الانبیاء ہونا سب انبیاء سے زمانہ میں پچھلا ہونا ضروریات دین سے ہے۔

(ترجمہ حسام الحرمین ص۱۳)

---

[1] تحذیر الناس میں رسول اللہ کے بعد صلعم چھپا ہوا ہے۔ ہر شخص آج بھی دیکھ سکتا ہے۔ لیکن مولوی احمد رضا خاں صاحب نے مسلمانوں کو بدظن کرنے کے لیے اُس کو اڑا دیا۔ یہ ہے ان کی دیانت۔ ۱۲

یہ بندہ عرض کرتا ہے کہ خان صاحب بریلوی نے اس عبارت میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے متعلق کفر کا جو حکم لگایا ہے۔ اس عاجز کے نزدیک وہ دھوکا اور فریب کے سوا کچھ بھی نہیں۔ خان صاحب موصوف اتنے بے علم اور کم سمجھ بھی نہیں تھے کہ اُن کے اس فتوے کو ان کی کم علمی اور ناسمجھی کا نتیجہ سمجھا جا سکے۔ واللہ اعلم!

اس فتوے کے غلط اور محض تلبیس و فریب ہونے کے چند وجوہ یہ ہیں۔

پہلی وجہ :۔ مولوی احمد رضا خان صاحب نے اس تحذیر الناس کی عبارت نقل کرنے میں نہایت افسوس ناک تحریف سے کام لیا ہے جس کے بعد کسی طرح اس کو "تحذیر الناس" کی عبارت نہیں کہا جا سکتا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ عبارت "تحذیر الناس" کے تین مختلف صفحات کے متفرق فقروں کو جوڑ کر بنائی گئی ہے۔ اس طرح کہ ایک فقرہ صفحہ ۴ کا ہے اور ایک صفحہ ۲۵ کا۔ اور ایک صفحہ ۲۸ کا۔ اور صفحات کا نمبر درکنار، فقروں کے درمیان امتیازی خط (ڈیش) تک نہیں دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے کسی طرح دیکھنے والا یہ نہیں سمجھ سکتا کہ یہ مختلف مقامات کے فقرے ہیں۔ بلکہ وہ یہی سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ یہ مسلسل ایک عبارت ہے۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ خالص کفر کا مضمون بنانے کے لیے خان صاحب موصوف نے فقروں کی ترتیب بھی بدل دی ہے۔ اس طرح کہ پہلے صفحہ ۲۵ کا فقرہ لکھا ہے اس کے بعد صفحہ ۲۸ کا پھر صفحہ ۴ کا۔

خان صاحب کے اس ترتیب بدل دینے کا یہ اثر ہوا کہ "تحذیر الناس" کے تینوں فقروں کو اگر علیحدہ علیحدہ اپنی جگہ پر دیکھا جائے، تو کسی کو انکار ختم نبوت کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہاں انہوں نے جس طرح "تحذیر الناس" کی عبارت نقل کی ہے، اُس سے صاف ختم نبوت کا انکار معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ صرف آپ کی قلم کاری کا نتیجہ ہے۔ ورنہ مصنف "تحذیر الناس" کا دامن اس سے بالکل پاک ہے۔ جیسا کہ ان شاء اللہ ہمارے آئندہ بیان سے مفصل معلوم ہو جائے گا، اور "تحذیر الناس" کی ان عبارات کا جو عربی ترجمہ آپ نے علماء حرمین کے سامنے پیش کیا ہے، اُس میں تو اور بھی غضب ڈھایا ہے اور دیدہ دلیری

کے ساتھ جعل سازی کی انتہا کر دی ہے۔ حرکت یہ کی ہے کہ صفحہ ۶ اور صفحہ ۸ کے پہلے دونوں فقروں کو توڑ پھوڑ کے ایک ہی فقرہ بنا ڈالا ہے اس طرح کہ پہلے فقرہ کا مسند الیہ حذف کیا اور دوسرے ہی کے مسند الیہ کو پہلے کا بھی مسند الیہ بنا دیا جس کے بعد کسی کو وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ مختلف جگہ کی عبارتیں ہیں، اور انہیں کارروائیوں کو قرآن کی زبان میں تحریف کہتے ہیں۔

قرآن عزیز میں بنی اسرائیل کی تحریف کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ" اور خود خان صاحب موصوف نے بھی ایک جگہ اسی قسم کی کارروائی کو "خوفناک تحریف" بتلایا ہے۔ کسی شخص نے جس کا فرضی نام خان صاحب کے رسالہ "بریق المنار" میں زید لکھا گیا ہے۔ تَتَّخِذُوْنَ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا کو قرآن عظیم کا لفظ لکھ دیا ہے۔ اس کے متعلق موصوف اسی "بریق المنار" کے صفحہ ۷ پر لکھتے ہیں کہ۔

"سب سے زیادہ خوفناک تحریف یہ ہے کہ "تَتَّخِذُوْنَ عَلَيْهِمْ مَّسَاجِدَ" کو قرآن عظیم کا لفظ کریم بنا لیا۔ حالانکہ یہ جملہ قرآن عظیم میں کہیں نہیں۔ یہ تینوں لفظ متفرق طور پر قرآن عظیم میں ضرور آئے ہیں"

خان صاحب کی اس عبارت سے صاف معلوم ہو گیا کہ کسی کتاب کے متفرق جگہ کے الفاظ کو جوڑ کر ایک مسلسل عبارت بنا کر اس کتاب کی طرف منسوب کر دینا نہایت خوفناک تحریف ہے، اور اس قسم کی تحریفات سے اصل مضمون کا بدل جانا اور کسی اسلامی کلام کا خالص کفر ہو جانا بالکل بعید نہیں۔ "تحذیر الناس" تو بہرحال ایک بشر کی کتاب ہے۔ اگر کوئی بد نصیب کلام اللہ میں اس قسم کی تحریف کر کے کفریہ مضامین بنانا چاہے تو بنا سکتا ہے بلکہ اس کو شاید اتنی محنت بھی کرنی نہ پڑے جتنی کہ خاں صاحب نے کی کہ ایک فقرہ صفحہ ۶ کا لیا اور ایک صفحہ ۸ کا اور ایک صفحہ ۴ کا۔ وہ قرآن حکیم کی ایک ہی سورۃ بلکہ ایک ہی آیت میں اس قسم کا ردّ و بدل کر کے کفریہ مضامین نکال لے گا۔ مثلاً قرآن عزیز میں ارشاد ہے "اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ"

اور اس کا مطلب یہ ہے، کہ "نیکو کار جنت میں رہیں گے اور بدکار دوزخ میں"۔ اب اگر خان صاحب کا کوئی مرید یا شاگرد خان صاحب کی سنت پر عمل کر کے اس آیت کریمہ میں صرف اس قدر تحریف کر دے کہ نعیم کی جگہ جحیم پڑھے اور جحیم کی جگہ نعیم تو مطلب بالکل اُلٹا ہو جائے گا اور کلام صریح کفر ہو گا۔ حالانکہ اس میں سب لفظ قرآن ہی کے ہیں، صرف دو لفظوں کی جگہ بدل گئی ہے۔ یہ صرف ایک مثال عرض کر دی گئی ہے۔ اگر ناظرین غور فرمائیں تو اس قسم کی سینکڑوں اور ہزاروں مثالیں نکل سکتی ہیں۔ بلکہ یہاں تو الفاظ کی جگہ بدلی ہے، بعض صورتوں میں تو صرف حرکات کی جگہ بدل جانے سے بھی کفر کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں، مثلاً قرآن کریم میں ہے: "وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ" اگر کوئی بدبخت دیدہ و دانستہ "آدم" کی "میم" اور "ربّہ" کی "با" کی حرکتیں بدل دے اس طرح کہ "میم" پر پیش کی جگہ زبر پڑھے اور "با" پر زبر کی جگہ پیش، تو یہی پاکیزہ کلام جس کی تلاوت باعثِ ثواب ہے، صرف اسی قدر ردّ و بدل سے خالص کفر ہو جائے گا۔

بہر حال یہ حقیقت بالکل ظاہر ہے کہ بعض اوقات کلام میں معمولی سی تحریف کر دینے سے مضمون بدل جاتا ہے اور اس میں اسلام و کفر کا فرق ہو جاتا ہے، چہ جائیکہ اس قدر زبردست اُلٹ پلٹ کی جائے کہ مختلف صفحات کے فقروں کو توڑ پھوڑ کر ایک مسلسل عبارت بنائی جائے، اور فقروں کی ترتیب بھی بدل دی جائے۔ پس چونکہ خان صاحب نے "تحذیر الناس" کی عبارتوں کی اس قسم کی تحریف کر کے کفر کا حکم لگایا ہے، اور ان کی اس تحریف اور اُلٹ پلٹ نے "تحذیر الناس" کی عبارت کا مطلب بالکل بدل دیا ہے اور اس میں ختمِ نبوت زمانی کے انکار کے معنی پیدا کر دیئے ہیں۔ اس لیے ہم ان کے اس فتوے کو دانستہ فریب اور معاندانہ تلبیس سمجھنے پر مجبور ہیں۔

دوسری وجہ:- دوسری وجہ اور دوسری دلیل ہمارے اس خیال کی یہ ہے کہ خان صاحب نے عبارتِ تحذیر الناس کے عربی ترجمہ میں ایک نہایت افسوس ناک خیانت یہ کی ہے کہ تحذیر الناس صفحہ ۱۴ کی عبارت اس طرح تھی۔

"مگر اہلِ فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخرِ زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں"
ظاہر ہے کہ اس میں صرف فضیلت بالذات کی نفی کی گئی ہے جو بطورِ مفہوم مخالف[1]
فضیلت بالعرض کے ثبوت کو مستلزم ہے۔ مگر خان صاحب نے اس کا عربی ترجمہ اس
طرح کر دیا۔

"مع انہ لا فضل فیہ اصلا عند اھل الفھم"
جس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے میں اہلِ فہم
کے نزدیک بالکل فضیلت نہیں، اور اس میں ہر قسم کی فضیلت کی نفی ہو گئی اور ان دونوں
میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ (کما لا یخفیٰ)

تیسری وجہ :۔ تیسری وجہ اور تیسری دلیل ہمارے اس خیال کی یہ ہے کہ تحذیر الناس کے
جو فقرے خان صاحب نے اس موقعہ پر نقل کئے ہیں، اُن کا ماسبق وما لحق، جس سے ان کا
صحیح مطلب واضح ہو جاتا اور ناظرین کو غلط فہمی کا موقع نہ رہتا، حذف کر دیا ہے (اس کا
ثبوت آگے آتا ہے)

چوتھی وجہ :۔ ہمارے خیال کی چوتھی وجہ اور چوتھی دلیل یہ ہے کہ خان صاحب نے اس مجمع
تکفیر کی تمام تر بنیاد اس پر رکھی ہے کہ تحذیر الناس میں ختم نبوت کا انکار کیا گیا ہے، حالانکہ اس میں
اوّل سے آخر تک ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیتِ
زمانی کا انکار نکلے، بلکہ "تحذیر الناس" کا تو موضوع ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر
قسم کی خاتمیتِ ذاتی، زمانی، مکانی وغیرہ کی حمایت وحفاظت ہے۔ اور بالخصوص ختم زمانی
کے متعلق تو اس میں نہایت صاف اور واضح تصریحات ہیں، چنانچہ "تحذیر الناس" صفحہ ۴

---

[1] یہ مسئلہ مسلمہ ہے کہ مفہوم مخالف مصنفین کے کلام میں معتبر ہے۔ علامہ شامی رد المحتار میں ارقام فرماتے ہیں
"فی انفع المسائل مفہوم التصنیف حجۃ" (رد المحتار جلد ۳ صفحہ ۴۲۳) اور اس مسئلہ میں حنفیہ و شافعیہ
کا جو اختلاف مشہور ہے وہ صرف نصوص شرعیہ تک محدود ہے ۔ ۱۲ منہ عفی عنہ۔

پر اس فقرہ کے بعد جس کو فاضل بریلوی نے سب سے آخر میں نقل کیا ہے، مولانا مرحوم تحریر فرماتے ہیں:-

"بلکہ بنا خاتمیت اور بات پر ہے جس سے تاخر زمانی اور سد باب مذکور (یعنی سد باب مدعیان نبوت) خود بخود لازم آجاتا ہے اور فضیلت نبوی دوبالا ہو جاتی ہے۔"

نیز اسی "تحذیر الناس" کے صفحہ ۵۶ پر مولانا مرحوم اپنے اصل مدعا کی توضیح سے فارغ ہو کر تحریر فرماتے ہیں کہ

"سو اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے، ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالت التزامی ضرور ثابت ہے۔ ادھر تصریحات نبوی مثل انت منی بمنزلة هارون من موسى الا انه لا نبي بعدي او كما قال. جو بظاہر بطرز مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے[1] اس باب میں کافی ہے۔ کیونکہ یہ مضمون درجۂ تواتر کو پہنچ گیا ہے۔ پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا۔ گو الفاظ مذکور بسند متواتر منقول نہ ہوں۔ سو یہ عدم تواتر الفاظ باوجود تواتر معنوی یہاں ایسا ہی

---

[1] یہاں یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ ختم زمانی پر صراحۃً دلالت کرنے والی "لا نبی بعدی" جیسی حدیثیں بھی حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے نزدیک قرآن کریم کے لفظ خاتم النبیین ہی سے ماخوذ ہیں۔ یعنی مولانا موصوف کا یہ خیال اور دعویٰ ہے، کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جن حدیثوں میں اپنا سب سے آخری نبی ہونا اور اپنے بعد کسی اور نبی کا نہ آنا بیان فرمایا ہے وہ قرآن پاک کے لفظ خاتم النبیین ہی سے ماخوذ ہے اور گویا اسی کی تفسیر اور تشریح ہے۔ اس صاف اور واضح تصریح کے ہوتے ہوئے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ختم نبوت زمانی کا منکر قرار دینا یا یہ کہنا کہ وہ قرآن مجید کے لفظ خاتم النبیین سے خاتمیت زمانی کا مطلب نکالنے کو "عامیانہ خیال" کہتے ہیں، کیسی بے شرمی کی بات ہے۔ مولانا نے تو صرف حصر و عموم کو خیال عوام بتلایا ہے جس کی تفصیل اور توضیح آگے آتی ہے۔

ہو گا جیسا تواترِ اعدادِ رکعاتِ فرائض و وتر وغیرہ۔ باوجودیکہ الفاظ احادیث مشعر تعدادِ رکعات متواتر نہیں جیسا اس کا منکر کافر ہے۔ ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہو گا۔"

اس عبارت میں مولانا مرحوم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیتِ زمانی کو پانچ طریقوں سے ثابت فرمایا ہے۔

(۱) یہ کہ حضورِ اقدس کے لیے خاتمیتِ زمانی نصِ "خاتم النبیین" سے بدلالتِ مطابقی ثابت ہو، اس طور پر کہ خاتم کو ذاتی اور زمانی سے مطلق مانا جائے۔

(۲) یہ کہ بطورِ عمومِ مجاز لفظ خاتم کی دلالت دونوں قسم کی خاتمیت پر مطابقی ہو۔

(۳) یہ کہ دونوں میں سے ایک پر مطابقی ہو اور دوسرے پر التزامی۔ اور ان تینوں صورتوں میں خاتمیتِ زمانی نصِ قرآنی سے ثابت ہو گی۔

(۴) یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیتِ زمانی احادیث متواترۃ المعنیٰ سے ثابت ہے۔

(۵) یہ کہ خاتمیتِ زمانی پر اُمت کا اجماع ہے۔

ان پانچ طریقوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیتِ زمانی ثابت کرنے کے بعد مولانا مرحوم نے یہ بھی تصریح فرما دی کہ خاتمیتِ زمانی کا منکر ایسا ہی کافر ہے جیسا کہ دیگر ضروریات و قطعیاتِ دین کا۔

"تحذیر الناس" کی ان واضح تصریحات کے باوجود یہ کہنا کہ اس میں ختمِ نبوتِ زمانی کا انکار کیا گیا ہے، سخت ظلم اور فریب نہیں تو کیا ہے۔

پھر اس قسم کی تصریحات تحذیر الناس میں ایک ہی دو جگہ نہیں، بلکہ مشکل سے اس کا کوئی صفحہ اس کے ذکر سے خالی ہو گا۔ اس وقت ہم "تحذیر الناس" کی صرف ایک عبارت ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں جس میں مولانا نانوتوی مرحوم نے ایک نہایت ہی عجیب و غریب فلسفیانہ انداز میں ختمِ نبوتِ زمانی کو بیان فرمایا ہے۔ تحذیر الناس کے صفحہ ۷ پر ہے:۔

"در صورتیکہ زمانے کو حرکت کہا جائے تو اس کے لیے کوئی مقصود بھی ہو گا جس کے

آنے پر حرکت منتہی ہو جائے۔ سو حرکت سلسلۂ نبوت کے لیے نقطۂ ذاتِ محمدی منتہی ہے اور یہ نقطہ اس ساق زمانی اور ساق مکانی کے لیے ایسا ہے جیسے نقطۂ راس زاویہ تا کہ اشارہ شناسانِ حقیقت کو یہ معلوم ہو کہ آپ کی نبوت کون و مکاں زمین و زماں کو شامل ہے۔

پھر اس کے چند سطر بعد اسی صفحہ پر فرماتے ہیں:۔

"بجملہ حرکاتِ متعددہ حرکتِ سلسلۂ نبوت بھی تھی۔ سو بوجہ حصولِ مقصودِ اعظم ذاتِ محمدی صلعم وہ حرکت مبدل بسکون ہوئی۔ البتہ اور حرکتیں ابھی باقی ہیں اور زمانۂ آخر میں آپ کے ظہور کی ایک یہ بھی وجہ ہے۔" (تحذیر الناس صفحہ ۴۷)

پھر "تحذیر الناس" ہی پر منحصر نہیں۔ حضرت مرحوم کی دوسری تصانیف میں بھی بکثرت اس قسم کی تصریحات موجود ہیں۔ محض بطور نمونہ مناظرۂ عجیبہ کی چند عبارتیں ملاحظہ ہوں۔

مناظرۂ عجیبہ کا مضمون جہاں سے شروع ہوتا ہے، اس کی پہلی سطر یہ ہے۔

"حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیتِ زمانی تو سب کے نزدیک مسلّم ہے اور یہ بات بھی سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ آپ اوّل المخلوقات ہیں۔"

پھر اسی کے صفحہ ۳۹ پر فرماتے ہیں۔

"خاتمیتِ زمانی اپنا دین و ایمان ہے۔ ناحق کی تہمت کا البتہ کچھ علاج نہیں۔"

پھر اسی کے صفحہ ۵۰ پر فرماتے ہیں:

"خاتمیتِ زمانی سے مجھے انکار نہیں۔ بلکہ یوں کہیے کہ منکروں کے لیے گنجائشِ انکار نہ چھوڑی۔ افضلیت کا اقرار ہے، بلکہ اقرار کرنے والوں کے پاؤں جما دیئے اور نبیوں کی نبوت پر ایمان ہے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر کسی کو نہیں سمجھتا۔"

پھر اسی کے صفحہ ۶۵ پر فرماتے ہیں۔

"ہاں یہ مسلّم ہے کہ خاتمیتِ زمانی اجماعی عقیدہ ہے۔"

پھر اسی کے صفحہ ۱۰۳ پر ہے:

"بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں، جو اس میں تامل کرے، اُس کو کافر سمجھتا ہوں۔"

یہ پانچ عبارتیں صرف "مناظرۂ عجیبہ" کی ہیں۔ اس کے بعد حضرت نانوتوی مرحوم کی آخری تصنیف "قبلہ نما" سے ایک عبارت اور نقل کی جاتی ہے۔ "قبلہ نما" کے صفحہ ۱۱ پر ہے:

"آپ کا دین سب دینوں میں آخر ہے اور چونکہ دین حکم نامۂ خداوندی کا نام ہے تو جس کا دین آخر ہوگا وہی شخص سردار ہوگا، کیونکہ اُسی کا دین آخر ہوتا ہے جو سب کا سردار ہوتا ہے۔"

حضرت قاسم العلوم قدس سرہٗ کی یہ کل دس عبارتیں ہوئیں۔ کیا ان تصریحات کے ہوتے ہوئے کوئی صاحبِ دیانت اور صاحبِ عقل کہہ سکتا ہے کہ یہ شخص ختمِ نبوتِ زمانی کا منکر ہے؟ لیکن افترا پردازی کا کوئی علاج نہیں۔ ایسے ہی مفتریوں کے متعلق عارف جامی نے کہا ہے:

چنیں کردند و خلقے در تماشا	ہمیں گفتند حاشا ثم حاشا
کزیں روئے نکو بدکاری آید	وزیں دلدار دل آزاری آید

حضرت نانوتوی مرحوم کی مختلف تصانیف کی مذکورہ بالا تصریحات اور دوسرے علماءِ دیوبند کی وہ علمی اور عملی مساعی، جو قادیانی جماعت کے مقابلہ میں اسی مسئلہ ختمِ نبوت کے متعلق اب تک کتابوں اور مناظروں کی شکل میں ظہور پذیر ہو چکی ہیں اور جن سے تمام اسلامی دُنیا واقف ہے، ختمِ نبوت کے متعلق بانیٔ دارالعلوم دیوبند اور جماعت علمائے دیوبند کی پوزیشن واضح کرنے کے لیے انصاف والی دُنیا کے نزدیک کافی سے زائد ہے۔

وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ○ اس کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ تحذیر الناس کے ان تینوں فقروں کا صحیح مطلب بھی عرض کر دیا

جائے جن کو جوڑ توڑ کر مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اس کے مصنّف پر ختم نبوّت زمانی کے انکار کا بہتان لگایا ہے۔ لیکن اس کے لیے ضرورت ہے کہ اختصار کے ساتھ قرآن مجید کے لفظ "خاتم النّبییّن" کی تفسیر کے متعلق مولانا نانوتوی مرحوم کا مسلک اور نقطۂ نظر واضح کر دیا جائے۔

حضرت نانوتوی مرحوم اور تفسیر خاتم النّبییّن

تمہید:- اوّلاً بطور تمہید گذارش ہے کہ رسول خدا (روحی وقلبی فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نفس الامر میں دو قسم کی خاتمیت ثابت ہے ایک زمانی جس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ آپ سب سے آخر نبی ہیں اور آپ کا زمانہ تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد ہے اور آپ کے بعد اب کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔

دوسرے خاتمیت ذاتی، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ وصفِ نبوّت کے ساتھ بالذّات موصوف ہیں اور دوسرے انبیاء (علیہ وعلیہم السّلام) بالعرض یعنی اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو براہِ راست نبوّت عطا فرمائی، اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو حضور کے واسطے سے۔ جس طرح (بلا تشبیہ) خداوند تعالیٰ نے آفتاب کو بغیر کسی واسطے کے روشن فرمایا اور اس کی روشنی عالمِ اسباب میں کسی دوسری روشن چیز سے مستفاد نہیں، اسی طرح اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کمالاتِ نبوّت براہِ راست بلا کسی واسطے کے عطا فرمائے، اور آپ کی نبوت کسی دوسرے نبی کی نبوت سے مستفاد نہیں۔ اور جس طرح کہ اللہ تعالےٰ نے مہتاب اور دوسرے ستاروں کو آفتاب کے واسطے سے منوّر بنایا، اور وہ اپنی نورانیت میں آفتاب کے نور کے محتاج ہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السّلام کو کمالاتِ نبوّت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے عطا فرمائے گئے، اور وہ حضرات باوجود حقیقۃً نبی ہیں لیکن اپنی نبوت میں آفتاب آسمانِ نبوّت حضرت محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض کے دستِ نگر ہیں (وھذا کلّہٗ باذنِ اللہ تعالیٰ) اور جس طرح کہ ہر موصوف بالعرض کا سلسلہ کسی موصوف بالذّات پر ختم ہو جاتا ہے، اور آگے نہیں چلتا، مثلاً تہ خانوں میں آئینوں کے ذریعہ جو روشنی پہنچائی گئی ہے، اُس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہ آئینہ

سے آئی اور آئینہ کی روشنی کو کہا جا سکتا ہے کہ وہ آفتاب کا عکس ہے، لیکن آفتاب پر جا کر یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور کوئی نہیں کہتا کہ آفتاب کی روشنی عالمِ اسباب میں فلاں روشن چیز کا عکس ہے (کیونکہ آفتاب کو اللہ تعالیٰ نے خود روشن بنایا ہے) اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے متعلق تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت خاتم الانبیاء کی نبوت سے مستفاد ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جا کر یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور آپ کے متعلق کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آپ کی نبوت فلاں نبی کی نبوت سے مستفاد ہے (کیونکہ آپ باذن اللہ تعالیٰ نبی بالذات ہیں) پس اسی کو خاتمِ ذاتی کہا جاتا ہے اور اسی مرتبہ کا نام خاتمیتِ ذاتیہ ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد عرض ہے کہ حضرت مولانا نانوتوی مرحوم اور بعض دوسرے محققین کی تحقیق یہ ہے کہ قرآن عزیز میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمایا گیا ہے۔ اس سے آپ کے لیے دونوں قسم کی خاتمیت ثابت ہوتی ہے ذاتی بھی اور زمانی بھی، اور عوام اس سے محض ایک قسم کی خاتمیت مراد لیتے ہیں یعنی صرف زمانی۔

بہر حال حضرت مولانا مرحوم اور عوام کا نزاع نہ ختمِ نبوت زمانی میں ہے نہ اس میں کہ قرآنی لفظ خاتم النبیین سے خاتمیت زمانی مراد لی جائے (کیونکہ مولانا کو یہ دونوں چیزیں تسلیم ہیں) بلکہ نزاع صرف اس میں ہے کہ لفظِ خاتم النبیین سے خاتمیتِ زمانی کے ساتھ خاتمیت ذاتی بھی مراد لی جائے یا نہیں، حضرت مولانا اس کے قائل اور مثبت ہیں اور انہوں نے اس کی چند صورتیں لکھی ہیں:

ایک یہ کہ لفظ خاتم کو خاتمیت زمانی اور ذاتی کے لیے مشترک معنوی مانا جائے اور جس طرح مشترک معنوی سے اس کے متعدد افراد مراد لیے جاتے ہیں اسی طرح یہاں آیہ کریمہ میں بھی دونوں قسم کی خاتمیت مراد لی جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک معنی کو حقیقی اور دوسرے کو مجازی کہا جائے اور آیہ کریمہ میں لفظ خاتم سے بطورِ عمومِ مجاز ایک ایسے عام معنی مراد لیے جائیں جو دونوں قسم کی خاتمیت کو حاوی ہو۔

ان دونوں صورتوں میں لفظ خاتم کی دلالت دونوں قسم کی خاتمیت پر ایک ساتھ اور مطابقی ہوگی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ قرآن کریم کے لفظِ خاتم سے صرف خاتمیتِ ذاتی مراد لی جائے۔ مگر چونکہ اس کے لیے بدلائل عقلیہ و نقلیہ خاتمیت زمانی لازم ہے۔ لہٰذا اس صورت میں بھی خاتمیتِ زمانی پر آیۂ کریمہ کی دلالت بطورِ التزام ہوگی۔

ان تینوں صورتوں کے لکھنے کے بعد تحذیر الناس کے صفحہ ۹ پر حضرت مولانا نے جس کو خود اپنا مختار بتلایا ہے وہ یہ ہے کہ خاتمیت کو جنس مانا جائے اور ختم زمانی و ختم ذاتی کو اس کی دو نوعیں قرار دیا جائے، اور قرآن عزیز کے لفظ خاتم سے یہ دو نوعیں بیک وقت مراد لے لی جائیں جس طرح کہ آیۂ کریمہ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ میں بیک وقت "رِجْسٌ" سے ظاہری و باطنی دونوں قسم کی نجاستیں مراد لی جاتی ہیں۔ بلکہ غور کیا جائے تو یہاں ختم زمانی اور ختمِ ذاتی میں اس قدر بُعد نہیں جس قدر شراب کی نجاست اور جوئے کی نجاست میں۔

لفظ خاتم النبیین کی تفسیر کے متعلق حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کا خلاصہ صرف اسی قدر ہے جس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتمِ زمانی بھی ہیں، اور خاتمِ ذاتی بھی۔ اور یہ دونوں قسم کی خاتمیت آپ کے لیے قرآن کریم کے اسی لفظ خاتم النبیین سے نکلتی ہے۔

تحذیر الناس کی عبارتوں کا صحیح مطلب

اس کے بعد ہم ان تینوں فقروں کا صحیح مطلب عرض کرتے ہیں جن کو جوڑ کر مولوی احمد رضا خاں صاحب نے کفریہ مضمون بنا لیا ہے۔

ان میں سے پہلا فقرہ صفحہ ۵ کا ہے اور یہاں حضرت مرحوم اپنی مذکورہ بالا تحقیق کے موافق خاتمیتِ ذاتی کا بیان فرما رہے ہیں۔ اس موقع پر تحذیر الناس کی پوری عبارت اس طرح تھی۔

"غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گذشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا۔ بلکہ اگر بالفرض[1] آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے"

خاں صاحب نے اس عبارت کا خط کشیدہ حصہ جس سے ہر شخص یہ سمجھ لیتا کہ مولانا کی یہ عبارت خاتمیت ذاتی کے متعلق ہے، نہ کہ زمانی کے متعلق، حذف کر کے ایک ناتمام "ٹکڑا" نقل کر دیا۔ اور پھر غضب یہ کیا کہ اس کو صفحہ ۸۵ کے ایک فقرہ کے ساتھ اس طرح جوڑ کر صفحہ کے نمبر کا تو ذکر ہی کیا ہے، درمیان میں ختم فقرہ کی علامت (ڈیش) بھی نہیں دیا اور پھر اس دوسرے فقرہ کی نقل میں بھی صریح خیانت کی اس موقع پر پوری عبارت اس طرح تھی۔

"ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف نبوت لیجئے جیسا اس ہیچمدان نے عرض کیا ہے تو پھر سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کو افراد مقصودہ بالخلق میں سے مماثل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کے افراد خارجی ہی پر آپ کی فضیلت ثابت نہ ہوگی، افراد مقدرہ پر بھی آپ کی فضیلت ثابت ہو جائے گی، بلکہ اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو، تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا"

اس عبارت میں بھی مولوی احمد رضا خاں صاحب نے یہ کارروائی کی کہ اس کا ابتدائی حصہ (جس سے ناظرین کو صاف معلوم ہو سکتا تھا کہ یہاں صرف خاتمیت ذاتی کا ذکر ہے نہ کہ زمانی کا۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کے متعلق بھی مصنف تحذیر الناس کا عقیدہ اس سے معلوم ہو جاتا)، اس اہم حصہ کو خاں صاحب نے یک قلم حذف کر کے صرف آخری خط کشیدہ فقرہ نقل کر دیا۔ اور دوسری کارروائی یہ کی کہ اس ناتمام فقرہ کو

---

[1] یہ بالفرض کا لفظ بھی قابل لحاظ ہے۔ ۱۲

بھی صفحہ ۱۲ کے ایک نا تمام فقرہ سے اس طرح جوڑ دیا کہ وہاں بھی درمیان میں ڈیشس تک نہیں دیا۔

بہرحال صفحہ ۶ اور صفحہ ۸۵ کے ان دونوں فقروں میں حضرت مرحوم صرف خاتمیتِ ذاتی کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ ایسی خاتمیت ہے کہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں یا آپ کے بعد اور کوئی نبی ہو، تب بھی آپ کی اس خاتمیت میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔ رہی خاتمیت زمانی، اس کا یہاں کوئی ذکر نہیں، اور نہ کوئی ذی ہوش یہ کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے ہونے سے خاتمیتِ زمانی میں کوئی فرق نہیں آتا۔

ایک عام فہم مثال سے مولانا نانوتویؒ کے مطلب کی توضیح

بلاشبہ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کسی ملک میں کوئی وبائی مرض پھیلا۔ بادشاہ کی طرف سے یکے بعد دیگرے بہت سے طبیب بھیجے گئے، اور انہوں نے اپنی قابلیت کے موافق مریضوں کا علاج کیا۔ اخیر میں اس رحیم و کریم بادشاہ نے سب سے بڑا اور سب سے زیادہ حاذق طبیب جو پہلے تمام طبیبوں کا اُستاد بھی ہے، بھیجا، اور اعلان کر دیا کہ اب اس کے بعد کوئی طبیب نہیں آئے گا۔ آئندہ جب کبھی کوئی مریض ہو، وہ اسی آخری طبیب کا نسخہ استعمال کرے، اُسی سے شفا ہوگی۔ بلکہ اس کے بعد جو شاہی طبیب ہونے کا دعویٰ کرے، وہ جھوٹا اور واجب القتل ہے۔ چنانچہ دنیا کا وہ آخری طبیب آیا اور اُس نے آکر اپنا شفاخانہ کھولا، جوق در جوق مریض اس کے دار الشفا میں داخل ہو کر شفایاب ہوئے۔ بادشاہ نے اپنے اس طبیب کو ایک حکم نامہ میں خاتم الاطباء کا خطاب بھی دیا۔ اب عوام تو یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ یہ طبیب زمانہ کے اعتبار سے سب سے آخری طبیب ہے اور اس کے بعد اب کوئی اور طبیب بادشاہ کی طرف سے نہیں آئے گا اور اہلِ فہم کا ایک گروہ (جو بالیقین جانتا ہے کہ یہ طبیب فی الواقع آخری ہی طبیب ہے) کہتا ہے کہ اس عظیم الشان طبیب کو خاتم الاطباء صرف اسی وجہ سے نہیں کہا گیا ہے کہ وہ آخری طبیب ہے، بلکہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تمام پہلے طبیبوں کی طبابت کا سلسلہ اسی

جلیل القدر طبیب پر ختم ہے یعنی وہ سب اس کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے فن طب اسی سے سیکھا ہے۔ لہٰذا اس دوسری وجہ سے بھی وہ خاتم الاطباء ہے۔ اور یہ دونوں قسم کی خاتمیت اسی خاتم الاطباء کے لفظ سے نکلتی ہے۔ بلکہ اگر تم غور کروگے تو تم کو بھی معلوم ہو جائے گا۔ کہ بادشاہ نے اس حاذق طبیب کو جو سب سے آخر بھیجا ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ فن طب میں سب سے فائق اور سب سے ماہر اور سارے طبیبوں کا استاد ہے، اور قاعدہ ہے کہ بڑے سے بڑے طبیب کی طرف اخیر ہی میں رجوع کیا جاتا ہے مقدمات تمام تحتانی مراحل طے کرنے کے بعد ہی بادشاہ معظم کی عدالتِ عالیہ میں پہنچتے ہیں۔ بہر حال یہ طبیب صرف زمانہ ہی کے اعتبار سے خاتم نہیں ہے بلکہ اپنے فن کے کمال کے اعتبار سے بھی خاتم ہے اور یہ دوسری خاتمیت ایسی ہے کہ اگر بفرض اس کے زمانہ میں یا اس کے بعد بھی کوئی طبیب آجائے تو اس کی اس خاتمیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

ناظرین انصاف فرمائیں کہ اہل فہم کے اس گروہ کے متعلق ان کے کسی معاند دشمن کا یہ کہنا کہ یہ لوگ اس خاتم الاطباء کو آخری طبیب نہیں مانتے، اور اس کی اس حیثیت کے منکر ہیں، کتنی بڑی تلبیس اور کس قدر عریاں بے حیائی ہے۔ جب کہ اہل فہم کا یہ گروہ اس شاہی طبیب کو ذاتی اور مرتبی حیثیت سے خاتم الاطباء ماننے کے ساتھ یہ بھی صاف صاف کہتا ہے کہ زمانہ کے لحاظ سے بھی یہی آخری طبیب ہے اور اس کے بعد اب کوئی طبیب بادشاہ کی طرف سے نہیں آئے گا۔ بلکہ جو کوئی اس کے بعد شاہی طبیب ہونے کا دعوےٰ کرے :: واجب القتل ہے۔

یہاں تک تحذیر الناس کے صفحہ ۸،۵،۶ کے فقروں کا صحیح مطلب عرض کیا گیا ہے، رہا تیسرا فقرہ جس کو خان صاحب نے سب سے اخیر میں نقل کیا ہے، وہ تحذیر الناس کے ۲۸ صفحہ کا ہے، اور یوں سمجھنا چاہیئے۔ کہ گویا تحذیر الناس وہیں سے شروع ہوتی ہے، الفاظ یہ ہے۔

• بعد حمد و صلوٰۃ کے قبل عرض گزارش یہ ہے، کہ اول معنیٰ خاتم النبیین معلوم

کرنا چاہیئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو۔ سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخر نبی ہیں۔ مگر اہلِ فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔

اس عبارت میں دو چیزیں قابلِ لحاظ ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں مولانا مرحوم مسئلہ ختمِ نبوت پر کلام نہیں فرما رہے ہیں۔ بلکہ لفظِ خاتم کے معنی پر کلام فرما رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ خاتم سے ختمِ زمانی مراد لینے کو مولانا نے عوام کا خیال نہیں بتلایا بلکہ ختمِ زمانی میں حصر کرنے کو عوام کا خیال بتلایا ہے اور عوام کے اسی نظریہ سے مولانا کو اختلاف ہے ورنہ خاتمیتِ زمانی مع خاتمیتِ ذاتی مراد لینا خود مولانا مرحوم کا مسلکِ مختار ہے۔ جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے اور تحذیر الناس کے صفحہ ۵۲ پر مولانا نے پوری تفصیل کے ساتھ اس کو بیان فرمایا ہے۔

بہر حال چونکہ خود حضرت مولانا کے نزدیک لفظ "خاتم النبیین" سے ختمِ زمانی بھی مراد ہے[1]۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ یہاں صرف حصر کو مولانا نے عوام کا خیال بتلایا ہے اور مولانا کا مطلب صرف یہ ہے کہ عوام تو یہ سمجھتے ہیں کہ حضورؐ کے لیے لفظ "خاتم النبیین" سے صرف خاتمیتِ زمانی ہی ثابت ہوتی ہے، اس کے سوا کچھ نہیں ثابت ہوتا، اور اہلِ فہم کے نزدیک اصل حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کے اس لفظ سے حضورؐ کے لیے خاتمیتِ زمانی بھی ثابت ہوتی ہے اور خاتمیتِ ذاتی بھی۔

یہیں سے مولوی احمد رضا خان صاحب کے اس اعتراض کا بھی جواب ہو گیا جو انہوں نے "تحذیر الناس" کی اسی عبارت پر "الموت الاحمر" میں کیا ہے کہ:۔

"اس میں "خاتم النبیین" سے خاتمِ زمانی مراد لینے کو عوام کا خیال بتلایا گیا ہے۔

---

[1] اس پر پوری روشنی ڈالی جا چکی ہے، اور مولانا مرحوم کی یہ تصریح چند صفحے پہلے گزر چکی ہے کہ ان کے نزدیک ختمِ نبوت زمانی پر صراحۃً دلالت کرنے والی "لا نبی بعدی" جیسی ساری حدیثیں "خاتم النبیین" ہی کے لفظ سے ماخوذ مستنبط ہیں۔ ۱۲

حالانکہ خاتم کے یہ معنی خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام سے بھی مروی ہیں، پس مصنف تحذیر الناس کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و تمام صحابہ کرامؓ عوام میں داخل ہوئے (معاذ اللہ)"

جواب کی تقریر و تفصیل یہ ہے کہ صاحب تحذیر الناس نے خاتم سے خاتم زمانی مراد لینے کو عوام کا خیال نہیں بتلایا بلکہ ختم زمانی میں حصر کرنے کو عوام کا خیال بتلایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کسی صحابی سے حصر ثابت نہیں۔ بلکہ علماء راسخین میں سے بھی کسی نے حصر کی تصریح نہیں فرمائی اور کیونکہ کوئی حصر کی جرأت کر سکتا ہے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیاتِ قرآنی کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

لِكُلِّ آيَةٍ مِنْهَا ظَهْرٌ وَبَطْنٌ وَلِكُلِّ حَدٍّ مُطَّلَعٌ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر آیتِ قرآنی کے کم از کم دو مفہوم ضرور ہوتے ہیں، اور اگر علمائے سلف میں سے کسی کے کلام میں حصر کا کوئی لفظ پایا بھی جائے تو وہ حصر حقیقی نہیں ہے۔ جس کو مولانا نانوتوی مرحوم عوام کا خیال بتلاتے ہیں، بلکہ اس سے مراد حصر اضافی بالنظر الی تاویلات الملاحدہ ہے۔

بہر حال جو شخص صاحب تحذیر الناس پر یہ بہتان رکھتا ہے کہ انہوں نے معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ تفسیر کو خیالِ عوام بتلا دیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی سے ایک ہی روایت حصر کی ثابت کر دے۔

پھر یہ کہ مولانا مرحوم نے اپنے مکتوبات میں اس کی بھی تصریح فرما دی ہے کہ باب تفسیر میں عوام سے مراد کون لوگ ہوتے ہیں۔ اس موقع پر حضرت مرحوم کے الفاظ یہ ہیں۔

"و بجز انبیاء علیہم السلام و راسخین فی العلم ہمہ عوام اندر" (قاسم العلوم نمبر اول مکتوب دوم ص[illegible])

باب تفسیر میں سوائے انبیاء علیہم السلام اور علمائے راسخین کے سب عوام ہیں۔

ان تصریحات کے ہوتے صاحب تحذیر الناس کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرامؓ کو عوام میں داخل کر دیا سخت بد دیانتی ہے۔

خاتم النبیین کی تفسیر میں حضرت مولانا نانوتوی کے مسلک کی تائید خود مولوی احمد رضا خان صاحب کی تصریحات سے

اس کے بعد ہم یہ بھی بتلا دینا چاہتے ہیں کہ جو لوگ لفظ خاتم النبیین سے صرف ایک ہی معنی (خاتم زمانی) مُراد لیتے ہیں اور معنی خاتم النبیین کو اُسی میں حصر کرتے ہیں، وہ فاضل بریلوی کے نزدیک بھی عوام میں داخل ہیں، اہل فہم میں سے نہیں۔ فاضل موصوف الدولۃ المکیۃ" صفحہ ۴۳ پر تحریر فرماتے ہیں۔

عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا یفقہ الرجل کل الفقہ حتی یجعل للقرآن وجوھا قلت اخرجہ عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن سعد فی الطبقات وابونعیم فی الحلیۃ وابن عساکر فی تاریخہ واوردہ مقاتل بن سلیمان فی صدر کتابہ فی وجوہ القرآن مرفوعاً بلفظ لا یکون الرجل فقیھا کل الفقہ حتی یری للقرآن وجوھا کثیرۃ۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آدمی اس وقت تک کامل فقیہ نہیں ہوتا جب تک کہ قرآن کے لیے متعدد وجوہ نہ نکالے میں کہتا ہوں کہ تخریج کی ہے اس روایت کی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ابن سعد نے طبقات میں اور ابونعیم نے حلیہ میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اور مقاتل بن سلیمان نے اپنی صدر کتاب میں، وجوہ قرآن میں اس کو بدیں الفاظ مرفوعاً روایت کیا ہے کہ آدمی اس وقت تک کامل فقیہ نہیں ہوتا، جب تک کہ قرآن کے لیے وجوہ کثیرہ نہ دیکھے:

قال فی الاتقان قد فسرہ بعضھم بان المراد ان یری اللفظ الواحد یحتمل معانی متعددۃ فیحملہ علیھا اذا

علامہ سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ لفظِ واحد جو متعدد معانی کے لیے متحمل ہو اس کو ان سب پر محمول کرے

كانت غير متضادة ولا يقتصر به على معنى واحد (انتهى ص۴۳) — جب کہ وہ آپس میں ٹکراتے نہ ہوں اور ایک ہی معنی پر منحصر نہ کرے۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب کی اس عبارت بلکہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے صاف معلوم ہوگیا کہ جو شخص کسی آیت قرآنی سے صرف ایک ہی معنی مراد لے اور اسی میں حصر کرے تو وہ عوام میں داخل ہے، اہل فہم (فقہاء) میں سے نہیں ہے کامل فقیہ جب ہی ہوگا، جب کہ ایک آیت کو بہت سے غیر متعارض معانی پر محمول کر سکے۔ جیسا کہ حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے ایک لفظ "خاتم النبیین" سے تین قسم کی خاتمیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت کی یعنی خاتمیت ذاتی، زمانی، مکانی۔

الحمد للہ تحذیر الناس کے تینوں فقروں کا صحیح مطلب بیان کر دیا گیا، اور ناظرین کو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ صفحہ (۳) کے فقرے میں حضرت نانوتوی مرحوم نے جن لوگوں کو عوام بتلایا ہے، وہ فاضل بریلوی کے نزدیک بھی عوام ہی میں داخل ہیں۔ اس کے بعد ہم یہ بتلا دینا چاہتے ہیں کہ یہ تحقیق کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم زمانی ہونے کے ساتھ خاتم مرتبی اور خاتم ذاتی بھی ہیں یعنی آپ نبی بالذات ہیں اور دوسرے انبیاء علیہم السلام نبی بالعرض۔ آپ کو کمالات نبوت اللہ تعالیٰ نے براہ راست عطا فرمائے اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو آنحضرت کے واسطے سے، اس میں بھی حضرت نانوتوی مرحوم متفرد نہیں بلکہ بہت سے اگلے علماء محققین بھی اس کی تصریح فرما چکے ہیں۔ لیکن یہاں ہم ان کی عبارات نقل کر کے بات کو طویل کرنے اور کتاب کو ضخیم بنانے کی ضرورت نہیں سمجھتے کیونکہ خود مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی اس مسئلہ کو اس طرح لکھ دیا ہے کہ اس کے بعد کسی اور کی عبارت نقل کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی، اس لیے ہم ان ہی کی ایک عبارت اس سلسلہ میں نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

فاضل موصوف اپنے رسالہ "جزاء اللہ عدوہ" کے صفحہ ۲۳ پر لکھتے ہیں:

"اور نصوص متواترہ اولیاء کرام و ائمہ عظام و علماء اعلام سے مبرہن ہو چکا کہ ہر

نعمتِ قلیل یا کثیر، صغیر و کبیر، جسمانی یا روحانی، دینی یا دنیوی، ظاہری یا باطنی، روزِ اول سے اب تک اور اب سے قیامت تک، قیامت سے آخرت، آخرت سے ابد تک، مومن یا کافر، مطیع یا فاجر، ملک یا انسان، جن یا حیوان بلکہ تمام ماسوی اللہ میں جو کچھ ملی یا ملتی ہے یا ملے گی، اُس کی کلی انہیں کے صبائے کرم سے کھلی اور کھلتی ہے یا کھلے گی۔ انہیں کے ہاتھوں پر بٹی اور بٹتی ہے اور بٹے گی۔ یہ سرّ الوجود اور اصل الوجود، خلیفۃ اللہ الاعظم و ولی نعمتِ عالم ہیں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ خود فرماتے ہیں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "انا ابو القاسم اللہ یعطی و انا اقسم" (رواہ الحاکم فی المستدرک و صححہ واقرۃ النا قدون)۔

فاضل بریلوی کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ عالم میں جو کچھ نعمت روحانی یا جسمانی، دنیوی یا دینی، ظاہری یا باطنی کسی کو ملی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دستِ کرم کا نتیجہ ہے، اور چونکہ نبوت بھی ایک اعلیٰ درجہ کی روحانی نعمت ہے لہذا وہ بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کو حضورؐ ہی کے واسطہ سے ملی ہے اور اسی حقیقت کا نام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی اصطلاح میں خاتمیت ذاتی اور خاتمیت مرتبی ہے۔

احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی علمی دیانت کا ایک نمونہ

"اور قاسمیہ قاسم نانوتوی کی طرف منسوب جس کی "تحذیر الناس" ہے اور اس نے اپنے رسالہ میں
میں کہا ہے بلکہ بالفرض آپکے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور
باقی رہتا ہے، بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق
نہ آئے گا، عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب میں آخری نبی
ہے مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانہ میں بالذات کچھ فضیلت نہیں الخ (حسام الحرمین مطبوعہ ۱۹۷۵ء صفحہ ۲۰)

والقاسمیۃ المنسوبۃ الی قاسم النانوتوی صاحب تحذیر الناس وھو
القائل فیہ ولو فرض فی زمنہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بل لو
حدث بعدہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نبی جدید لم یخل
ذالک بخاتمیۃ وانما یخیل العوام انہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم
خاتم النبیین بمعنی آخر النبیین مع انہ لا فضل فیہ اصلا عند
اھل الفھم الی آخر (حسام الحرمین طبع ۱۹۷۵ء، صفحہ ۱۹)۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ عبارت "تحذیر الناس" میں مسلسل نہیں ہے، بلکہ اس کتاب کے مندرجہ ذیل صفحات میں متفرق جگہ درج ہے قارئین خود ملاحظہ فرمالیں۔

"بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ ۶۵

"بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ صفحہ ۸۵

"عوام کے خیال میں تو رسول صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدیم یا تاخر زمانے میں بالذات کچھ فضیلت نہیں صفحہ ۴)

نوٹ: اور پھر طرہ یہ کہ ان جملوں کے معنی بھی فاضل بریلوی نے خود ساختہ پہنائے ہیں ان جملوں کا صحیح مفہوم معلوم کرنے کے لیے مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کا تکملہ ملاحظہ فرمائیں جو صفحہ ۱۰۱ سے آخر کتاب تک درج ہے۔